

دیوان غنی

از
ملا محمد طاہر غنی کشمیری

جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹس کلچر اینڈ لینگویج سائنسز

دیوان غنی

بترتیب جدید محمد امین دارآب کشمیری

از
ملا محمد طاہر غنی کشمیری

مقدمہ و تصحیح و حواشی

از

علی جواد زیدی

Manzoor Muzloom Kashmiri
Khanyar Srinagar-190003

جملوں ایند کشمیر اکسپریس آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز سیرینگر (کشمیر)

۶۱۹۸۲

© : سیکرٹری۔ جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کالج اینڈ ٹیکنیکل کالج۔

بار دوم : ۱۹۸۴ء

مطبع : جے۔ کے آف سیٹ پرنٹرز۔ دہلی۔

خطاط : پیر حسام الدین۔ محمد یوسف مسکین۔

قیمت : ۳۰ روپے

انچارج پبلیکیشن : بشیر اختر

کتاب بننے کا پتہ :

کتاب گھر

مولانا آزاد روڈ۔ برہنہ نگر

فہرس

- | | |
|----------------|-------------|
| محمد یوسف ٹینگ | ۱۔ عرض ناشر |
| علی جواد زیدی | ۲۔ مقدمہ |
| علی جواد زیدی | ۳۔ اشارات |
| مسلم تلمیذ غنی | ۴۔ دیباچہ |
| غنی | ۵۔ دیوان |



دیوان غنی

نسخه آگه تاریخ تحریر ۱۵ اردیبهشت ۱۲۸۳

عرضِ ناشر

اکادمی کی طرف سے ملاحظہ ہر غنی کاشمیری کا دیوان آج سے کوئی بیس سال قبل مرحوم محمد امین داراب کشمیری کی ترتیب اور سید علی جواد زیدی کے مقدمے اور حواشی کے ساتھ شائع کیا گیا تھا۔ دراصل اس کو دیوان کہنا ایک بیانِ خفیف (UNDER STATEMENT) ہے کیونکہ اس میں اُن کی غزلیات کے علاوہ مختلف اصناف کے وہ تمام نمونے یکجا کئے گئے تھے جن کو تحقیق و تدوین کے بعد اُن کا مُسلمہ کلام تسلیم کیا گیا ہے۔ "دیوانِ غنی" کا جو اولین نسخہ اُن کے شاگرد مُسلم نے اُن کی وفات کے ایک سال کے بعد مرتب کیا تھا۔ اس کے دیباچے میں وہ کلام غنی کی شیرازہ بندی کا ماجرا بڑے درو آمیز الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے :-

”سُخنے چند کہ از ذاتِ شریفش یادگار ماندہ بود و بجز بر صفحہ روزگار ثبت نہ نمود و خلفے چند کہ طبعِ لطیفش بجائے خود نشاندہ، چوں تیمارِ بے خانمان در سفینہ ہائے مُردم کوچہ بکوچہ میگردد و دید پیش از انکہ مسودہ اشعارش جمعیت پذیر در سخنانِ صورتِ دیوان گیرد۔“

اگرچہ دیوانِ غنی کو اکادمی سے پہلے بھی تقریباً ایک درجن مرتبہ چھاپا گیا تھا لیکن اس کو مستند کلمات کی صورت میں چھاپنے کی سعادت اکادمی کو ہی حاصل ہوئی چنانچہ اس

دیوان کی خاطر خواہ پذیرائی ہوئی اور اب اس ایڈیشن کے لئے غنی شناسوں کی نظریں بھٹکتی رہتی ہیں۔ اس بڑھتی ہوئی طلب کو پورا کرنے کی خواہش اس طبع ثانی کی شان نزول ہے یہاں پر اس بات کا تذکرہ شاید بے محل نہ ہوگا کہ درمیانی مدت میں اکادمی نے غنی شناسی کے راستے کو روشن تر کرنے کے لئے ریاض احمد شیروانی کی مرتب کردہ کتاب "غنی کشمیری" بھی شائع کی ہے۔ جس میں غنی کے احوال و آثار اور ان کے شبک کی خصوصیات پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب فارسی متن میں ہے اور اکادمی کی آفیسٹ پر چھپی ہوئی پہلی کتاب۔

غنی کے کلام اور ان کے دیوان کی ترتیب کے متعلق علی جواد زیدی صاحب نے پہلے ایڈیشن کے مقدمے میں قریح بحث کی ہے اور اسی لئے اس کو طبع ثانی میں بھی جوں کا توں شامل کیا گیا ہے لیکن اس دیوان کی اشاعت نے غنی شناسی کے کچھ نئے زاویے پیدا کئے ہیں اور اسی لئے اب غنی کو تمثیلِ ابہام کے شہنشاہ کے محاکے کی حدود سے باہر جانچنے اور پرکھنے کی کوششیں شروع ہو گئی ہیں۔

غنی کے دیوان کا پہلا مرتب مسلم اپنے دیباچے میں ان کی تخلیقی تگ و تاز کے متعلق کہتا

ہے :-

”علم را نقاب عرفان ساختہ و شعرش پرودہ داری ہر دومی نمود“

اس سے غنی کے جوہر ذاتی اور علم و عرفان کا سراغ تو ملتا ہے لیکن میرے خیال میں اس سے اہم تر بیان جو مسلم نے قلمبند کیا ہے یہ ہے :-

”اکثر ناقص عیارانِ ایں بازار پیرایہ ہنر پوشیدہ در ہر طرف دکا نے چیدہ اند
خزفہ چند در پرستہ در ہم کشیدہ خلقت ایں خلافت برکے

سزد کہ الف فلش بر قامت معنی چسپاں است۔ ص ۱

”لفظے باید کہ پرورد معنی را“

لفظ و معنی کے اس نازک رشتے کے احساس کے ساتھ غنی کو شعر کی ماہیت کا جو عرفان تھا۔ اس کا اندازہ اُس روایت سے ہوتا ہے جس کا تعلق عنایت خان آشنا کے ساتھ ہے۔ آشنا نے کہا تھا کہ جو شعر ایک بار پڑھنے یا سننے سے سمجھ میں نہ آئے، وہ بے معنی ہے۔ غنی کا رد عمل اُن کے میزان شعر کا بڑا مبلغ اشارہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ عنایت خان کی شعر فہمی پر جو اعتماد تھا، وہ آج سے جانا رہا۔ "جو شاعر اس پایے کی تنقیدی حس رکھتا ہو، اُس کے تمام شعری سرمایے کو دعویٰ دین کی نذر کرنا ویسا ہی جاہلانہ فتویٰ ہے جیسا سارے کلام میر کو 'آہ' اور سارے کلام سودا کو 'واہ' قرار دینا۔ اگر غنی کا کلام اتنا ہی بے مایہ ہوتا تو میر تقی میر جیسا شاعر محض یہ نہ کہتا طر:

ایسا گدا شاعر نہیں ہوں میر میں
تھا میرا سر مشق دیوان غنی
ورنہ میرزا غالب اُن کا حال دیتے بغیر ان کے اس فارسی شعر طر
شد روشنم ز شمع کہ در بزم حریفان
خاموش شدن مرگ بود اہل زبان را
کو اردو الفاظ میں منتقل کر کے اترتے طر
زبان اہل زبان میں ہے مرگ خاموش
یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانی شمع
مرزا عبدالقادر بیدل جیسے نازک حس شاعر سے جب کسی نے کہا کہ طر:
حسن بہرے بہ خط بہرے مرا کرد اسیر
دام ہر رنگ زمین بود گرفتار شدیم
جلال امیر کا ہے توان کا رد عمل یہ تھا:

"اگر اِس شعر از جلال امیر ہے بود و من گفتن شعر ترک مے کردم کہ در لطافت لفظی و معنوی او (غنی) منفرد مے بود۔"
(نسخہ چھاپی۔ نول کشور۔ ۱۸۶۶ء)

غنی کے یہاں اچھے اور اعلیٰ اشعار کی کمی نہیں ہے اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اُن کا
موجودہ دیوان اُن کے لاکھوں اشعار کی بس ایک چھوٹی سی نشانی ہے، جنہیں اُنہوں نے اپنی زندگی
میں ہی غرقاب کر دیا تھا۔ مندرجہ ذیل اشعار کی جہتیں اور لرزشیں اعلیٰ شاعری کے معیار
میزان کا پتہ دیتی ہیں اور اُن کے کلام پر ایک رُنے فیصلوں کے خلاف احتجاج کرتی ہیں:

جائیل کرد شیریں دست خود در گردن خسرو
وَلے میل حنا بستن ز خونِ کوه کُن دارد

غنی روز سیاہ ہے پیرِ کُناں راتماش کُن
کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

با سایہ ترا نمی پسندم
عشق است و ہزار بدگمانی

کُند در ہر قدم خلیفہ فریاد
کہ حُسنِ گلُرخاں پا در رکاب است

جلوہ حُسن ترا آرد مرا بر سرِ فکر
تو حُف بستی و من معنی رنگین بستم

ز بیم، ہجر و امید وصالِ آلِ محبوب گداخت خادم و بالید در کفِ مکتوب

غنی در ملک دنیا انقلابے آرزو دارم
کہ خاک از گردش گردوں غبار آسپا گردد

اپنے زمانے اور اُس کے بعد مدت تک وہ کشمیر کے ہی نہیں ہندوستان کے اہم ترین فارسی گوئیوں میں شمار ہوتے تھے اور ایرانِ کبیر کے ممتاز سخن دروں کو ایرانِ صغیر کے تحلیفیں سب سے زیادہ جس سوغات کی تلاش رہتی، وہ غنی کے تازہ اشعار ہوتے تھے لیکن سچی بات یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں غنی کو از سر نو دریافت کرنے اور اُس کی اسطور کو فروغ دینے کا سہرا اُسی شخصیت کو حاصل ہے جو غنی کی سر زمین کی مٹی سے کھلا ہوا گلاب تھا علامہ اقبال نے اپنے آسمانی سفر جاوید نامہ "میں فقط ایک کشمیری کا نام لے کر ذکر کیا ہے اور وہ ہیں صر

شاعر رنگین نوا طہر غنی

فقر او باطن غنی ظہر غنی

یہ بات بڑی معنی خیز ہے کہ اقبال نے اسی 'مستِ مدام' کے گلوے کشمیر کی بخت بیداری اور اُس کی سرخروئی کی بشارت سنائی ہے چنانچہ اُس وقت جب بظاہر کشمیر کے مطلع پر اپوسی اور نا اُمیدی کے بادل چھائے ہوئے تھے، روح غنی نے شاعر، زندہ رُود، کو یہ مرثیہ سنایا ہے صر

"کاروانہا را صدائے تو درآ ! تو ز اہل خط نو میدی چرا ؟

دل میانِ سینہ شاں مرده نیست اگلر شاں، زیرِ رخِ افسردہ نیست

باش تا بینی کہ بے آواز صُور ملتے بر خیزد از خاکِ قبور

اور پھر چشم فلک نے دیکھا کہ ابھی اس بشارت کی روشنائی بھی سوکھنے نہ پائی تھی کہ ۱۹۳۱ء

میں کشمیری قوم ہر بڑا کر اُٹھی اور اُس نے اس بہشت زار میں ایک تازہ آشوب برپا کر دیا جس کے جھٹکے ابھی تک اس کے لطن سے تخلیق و تحریک کا لاوا اُگل رہے ہیں۔ یہ بات بھی بڑی غور طلب ہے کہ غنی اس رفعت سے جو پیغام دیتے ہیں وہ کشمیریوں کو تحدید سے توسیع اور علحدگی

لہ، تنم گلے ز خیابانِ جنت کشمیر (اقبال)

سے آفاقیت کی طرف سفر کرنے کی ترغیب دیتا ہے

زیستن اندر حد ساجل خطاست

ساحل ماسنگ اندر راہ ماست!

اقبال نے غنی کو کشمیریوں کی مستقبل شناسی اور انقلاب پسندی کا سہیل بنایا ہے تو اُس کی توجہ اور تاویل بھی غنی کی زندگی اور کلام میں موجود ہے اُن کے کلام میں کشمیر کی گل زمینی اس کے موسموں، اس کے عقائد و اعتقادات، رسوم و رواج اور آسوؤں اور آہوں کا مزہ گونجتا ہے اور اس کی مٹی کی بوباس ہمکتی ہے۔ غنی نے چنار کے متعلق کہا تھا

میزند پہلو بہ شغل طور از آتش چنار

یا

تا کند در یوزہ آتش بہ گلشن از چنار

کاسہ بر کف ہست سرو از آشیان بلبلان

کیا عجب کہ اقبال نے آتش چنار کی ترکیب اُنہی سے لے کر اپنا یہ برجستہ شعر لکھا ہے

جس خاک کے ضمیر میں ہو آتش چنار

ممکن نہیں کہ سرد ہو وہ خاک اگر بند

خاص طور جب ہم یہ بات زیرِ نظر رکھیں کہ اقبال نے غنی کے اشعار کی تفسیریں لکھی

ہیں۔ اُن سے متعلق روایات کو نظم کر کے نئی زندگی عطا کی ہے اور اُن کا ذکر ہر جگہ عقیدت اور محبت سے کیا ہے۔

غنی نے اپنی طباعتی، خلاتی اور ہنرمندی سے کشمیر کا نام اطراف و اکناف میں روشن

کیا۔ اگرچہ وہ اپنے زمانے کی سرکاری زبان میں سخن سراتھے۔ لیکن انہوں نے اپنی مادری زبان کی ایک ترکیب استعمال کر کے صائب جیسے شاعر کو اس کے معنی تلاش کرنے کے لئے کشمیر کا سفر

کرنے پر اُکسایا۔ غور طلب نکتہ یہ ہے کہ فارسی جیسی ترقی یافتہ زبان میں بھی اس ترکیب کا کوئی موسیقی آور اور بلیغ مترادف موجود نہیں اس طرح یہ کشمیری زبان کی معنویت کا استعارہ بن جاتا ہے اور غنی کشمیری زبان کی تاریخ میں بھی اپنی جگہ سنوارتے ہیں۔

موتے میان توشتہ کراہ پن

کرد جُدا کا سہ سُر ہا ز تن

اس بات کی معنویت اس بات کو مد نظر رکھ کر اور بڑھ جاتی ہے جب ہم یاد کریں کہ اُس سے پہلے فارسی دُنیا میں صرف کشمیر کی خوبصورتی اور کشمیریوں کی دل پذیری کا ہی ذکر تھا۔ اور حافظ جیسا شاعر کہتا تھا۔

ز شعر حافظ شیرازے گویند دے رقصند

سیاہ چشمان کشمیری و ترکان سمرقندی

یہ بات بھی غنی کے دل درد مند اور اُن کی بالغ نظری کی دلیل ہے کہ انہوں نے اپنے وقت میں اپنے وطن کی محرومیوں کی طرف جگہ جگہ اشارہ کر کے اپنی قومی حمیت کا ثبوت دیا۔

کدام باز در کارِ آشیاں بندی است

کہ ہست حکم پر کاوہ بال مرغاں را

روزنی ما میشود آخر نصیب دیگران

طالع سرگشتہ ہمچوں آسیا داریم ما

غنی کا کلام اُن کے زمانے میں توقیر اور فیشن کی چیز تھا۔ کشمیر میں آج بھی پُرانے قبرستانوں میں رنگ ہائے مزار پر اُن کا یہ شعر اتنی کثرت سے کندہ نظر آتا ہے کہ اس میں ایک تعویذ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔

آسودگی بہ گوشہ ہستی ندیدہ ایم
سُرخستہ ایم و گنجِ مزارے خریدہ ایم

لیکن اُن کی ہزار شیوگی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ مہدی افادی جیسا بانکا ادیب اُن کے اس
زنگین شعر کو چٹخائے لے لے کر استعمال کرتا ہے۔ ^{۱۰}ص

سیاہ چوری بہ دستِ آں رنگارے

بہ شارخِ صندلی پیچیدہ مارے

ایسے پہلودار اور طرحدارشعر کو صرف تمثیل اور ابہام کے خیمہٴ حُباب میں محصور کرنا
ایک ایسی فرد گداشت ہے جس کی تلافی کرنے کا موقع آگیا ہے اور خاص طور اُن کی رباعیات
میں جو ہستی اور جبرستگی ملتی ہے اُس پر تازہ نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ ^{۱۱}ص

پہو میوہ کر بسماند بزمِ برگِ نہاں

دیوانِ غنی کے پہلے ایڈیشن میں ایک تسامح رہ گیا ہے جس کی تصحیح کرنا ادبی تعاضل
کی مناسبت سے لازمی معلوم ہوتا ہے۔ دیوان کے مختلف نسخوں کا ذکر کرتے ہوئے علی جواد
زیدی صفحہ ۴۴ پر لکھتے ہیں :-

دیوانِ غنی کے جو نسخے اب تک دستیاب ہو چکے ہیں۔ اُن میں اگرہ والا

نسخہ (۱) سب سے قدیم نسخہ ہے۔ یہ نسخہ اب اکیڈمی نے خرید لیا ہے۔ کاتب

کا نام تو معلوم نہیں ہے لیکن کتابت خوشخط اور صحیح ہے۔ تاریخ تحریر ۱۲۸۵ھ

ہے چونکہ اس نسخہ کی ابتداء کے چند صفحات موجود نہیں ہیں۔ اس لئے یہ بات

قطعیت سے نہیں کہی جاسکتی کہ یہ دیوانِ مسلم کا ترتیب دیا ہوا ہے یا

ماہر کا۔ چونکہ مسلم نے غنی کے مرنے کے ایک سال بعد ہی دیوان کو کشمیر میں

مرتب کیا ہے اس لئے اگر یہ اُسی نسخے کی نقل ہے۔ تو یہ کشمیر میں ہی لکھا گیا ہوگا۔

لے : ملاحظہ ہو "افاداتِ مہدی"۔

اس دیوان پر کچھ مہریں بھی ثبت تھیں جو مٹا دی گئی ہیں۔ ان مہروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نسخہ کافی مکمل اور ضخیم ہے اور اس میں اور مسلم کے قریب کردہ نسخہ میں بہت کم فرق ہے۔“

اس کے بعد اشارات کے تحت زیدی صاحب صفحہ ۴۹ پر رقمطراز ہیں :-
 ” (۱۱) نسخہ اگرہ خرید کردہ جوت و کشیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز،
 نام کاتب نامعلوم۔ تاریخ تحریر ۱۲۶۹ھ مطابق ۱۸۵۳ء قدرے ناقص الاول
 خوشخط و صحیح۔ تاہم نوز قدیم ترین نسخہ۔“

جیسا کہ دونوں اقتباسات سے روشن ہے کہ ایک ہی نسخے کی بات کرتے ہوئے دو مقامات پر ایک صدی کا فرق رہ گیا ہے۔ پہلے اقتباس میں سن ۱۱۸۰ھ دیا گیا ہے اور دوسرے میں ۱۲۶۹ھ ظاہر ہے کہ یہ کتابت کا سہو ہے اور پردف پڑھنے والے سے بھی چوک ہو گئی ہے لیکن معاملہ اُس وقت اور زیادہ پُر اسرار بنتا ہے جب ہم اس نسخے پر دوسری نظر ڈالتے ہیں۔ زیدی صاحب نے اس نسخے کا ACCESSION نمبر نہیں دیا ہے۔ لیکن اکادمی کے خطوط میں ایک نسخہ اس وقت ACCESSION NO. 174 کے تحت موجود ہے۔ اس پر جگ موہن لال ایڈووکیٹ مانی ٹھا اگرہ کا نام لکھا ہوا ہے اور آخر میں COLOPHON کے طور پر یوم پنج شنبہ ۱۵۱۰ھ ماہ رمضان ۱۲۸۸ھ کی تاریخ لکھی ہوئی ہے۔ اس نسخے کے متعلق باقی تفصیل علی حوالہ زیدی کی دی ہوئی تفصیلات سے پوری طرح ملتی ہیں جس میں ناقص الاول ہونا اور مہروں کا مٹا ہوا ہونا بھی شامل ہے۔ حیرت ہے کہ اتنے اہم معاملے کو پڑھنے میں ایسی غلطی کیوں کر واقع ہوئی ہے۔ اس طرح اگرچہ اس نسخے کی عمر تین سال کم ہو جاتی ہے لیکن اس کے باوجود یہ تاہم نوز دیوان غنی کا قدیم ترین نسخہ ہے۔ زیدی صاحب لکھتے ہیں کہ: ”مسلم شاگرد غنی نے غنی کی وفات (۱۰۶۹ء) کے ایک سال بعد پہلا دیوان ترتیب دیا تھا۔ اگر زیدی صاحب کا متذکرہ نسخہ مسلم کا اصل نسخہ نہیں ہے۔ تو سوال یہ ہے

کہ کیا زیدی نے مسلم کا مرتب کردہ اصل نسخہ دیکھا تھا یا اُن کے بیان میں یہ معمول غیر دانستہ طور پر پیدا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی نقول بنانے اور منتشر ہونے میں کچھ مدت ضرور صرف ہوئی ہوگی۔

اس لئے ۸۳۰ھ کا سن ویسے بھی حقیقت کے قریب معلوم ہوتا ہے۔ زیدی صاحب کا یہ بیان بھی تقریباً حجتان کے برابر ہے کہ اس میں اور مسلم کے مرتب کردہ نسخے میں بہت کم فرق ہے حالانکہ وہ کچھ ہی سطروں کے بعد وائینڈا میں لکھتے ہیں کہ ”اگر یہ اُسی نسخہ کی نقل ہے۔“

اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ ریاض احمد شیروانی نے اکادمی کی طرف ۱۹۷۱ء میں شائع ہونے والی ”غنی کشمیری“ میں زیدی کی ہی اطلاع کو دہرایا ہے اور اس پر طرہ یہ کہ جہاں زیدی نے اس نسخہ کو مسلم کے نسخے کی نقل گردانا ہے۔ وہیں شیروانی نے اسے مسلم کا نام لکھ کر بغیر اُن ہی کا پہلا مرتب کردہ دیوان قرار دیا ہے۔

۱۰ اشعار غنی بطوریکہ گفتہ شد در ہماں سال وفات شاعر بشکل دیوان درآمد۔ ایں دیوان کہ در سال ۸۳۰ھ یعنی فقط ایک سال بعد از وفات غنی آمادہ شد در اکادمی فرہنگ ہنر و زبانہا متعلق بہ اتان جوں و کشیر موجود و بدون تردید قدیم ترین نسخہ دیوان غنی میباشد۔ ظاہر ہے کہ زیدی کی بات شیروانی تک آتے آتے متنگ بن گئی ہے اور اس سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ کسی روایت کو بذات خود پرکھنے کے بغیر باور کرنے میں کیا کیا خطرات لاحق رہتے ہیں۔ اس نسخے کے آخری صفحے کا نوٹو عکس طبع ثانی میں شائع کیا جا رہا ہے۔ جس میں تاریخ اور سن صاف نظر آتے ہیں۔

”دیوان غنی“ کا یہ طبع ثانی ہمارے پہلے ایڈیشن کا نوٹو آفسیٹ عکس ہے۔ طبع اول کی خطاطی مرحوم پیر حسام الدین خانیاری نے کی تھی۔ وہ کشمیر کے مکتب خطاطی کے قدیم سلسلے کے آخری روشن ستارے تھے۔ اُن کا خط اتنا پاکیزہ اور بصارت افزوں

ک

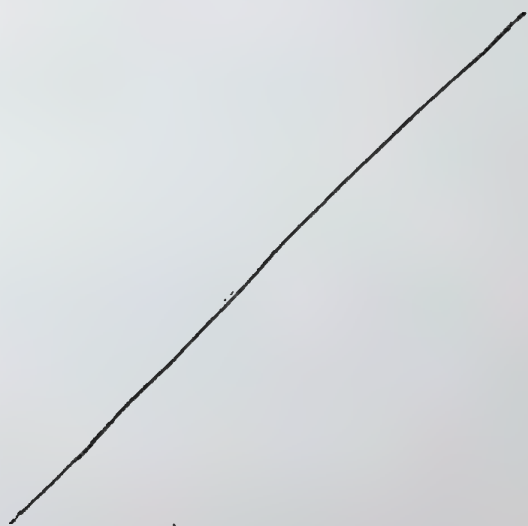
ہے کہ اُس کی نظیر اب میسر نہیں ہو سکتی۔ اس طرح سے یہ ایڈیشن ملاحظہ فرمائی اور اُن کے دیوان کے مرتبین کے ساتھ ساتھ پیر حسام الدین کو بھی خراج عقیدت ہے۔ اُمید ہے کہ طبع ثانی کی اشاعت سے غنی نوازوں کا نشہ سخن تسکین پاسکے گا۔ اور وہ غنی کا یہ شعر اپنے ہونٹوں پر پائیں گے۔

اے بادِ صبا طربِ فزائے آئی
گویا کہ زکوئے یارِ مائے آئی

برسینگر
۲۸ اکتوبر ۱۹۸۲ء

محمد یوسف ٹینگ
سیکیوٹری

دلوزی کا شعر
۱۲۸۲ھ
نظامی آریضی
۱۵



مقدمہ

ہندوستان کے متاخرین شعراء فارسی میں غنی کشمیری کو غیر معمولی شہرت اور قبول عام حاصل ہے۔ یہ شہرت کسی خاص خطے یا طبقے تک محدود نہیں رہی ہے۔ ہر دور میں غنی کے جاتے اور ماننے والے کشمیر سے اس کماری تک پھیلے رہے ہیں اور ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہے ہندوستان کے علاوہ ایران، افغانستان اور وسطی ایشیا کے ان تمام ممالک میں جہاں فارسی کا بچپن تھا، غنی کا نام پہنچ چکا تھا اور خراج تحسین حاصل کر چکا تھا۔ غنی کے ہم عصروں میں قدسی اور کلیم اہل زبان ہونے کے علاوہ، شاہجہاں کے دربار میں ”ملک الشعرائی“ کے منصب جلیل پر بھی فائز تھے، لیکن ان کے دواوین کو بھی وہ وسیع حلقہ اشاعت نصیب نہیں ہوا، جو دیوان غنی کے حصے میں آیا۔ حتیٰ کہ صائب اور عری جیسے رہبران فن اور سالکانِ تجدد کے کلیات بھی اشاعت عام اور تکرار طباعت سے محروم رہے۔ غنی کو اپنے زمانہ حیات ہی میں ایک ہمہ گیر شہرت حاصل ہو گئی تھی اور غنی نے اپنے اشعار میں جا بجا اس بات کی طرف اشارہ بھی کیے ہیں:-

اشعارِ آبدارم ناشد محیط عالم	انداختند در آب یاران سفینہ مارا
غنی چہر اصلہ شعرا نہ کسے گیرد	ہمیں بس بہت کہ شعرش گرفتہ عالم را
مشہور در سوادِ جہان از سخن شایم	ہمچون قلم سفر زبان می کنیم ما
از خلق بگوشہ نشستم پنہان	میکرد دوزین روسم گد جہان

چنان نام من روشناسست در مہند کہ نقش نگین در میان بیاباں
بود گو یا طفل نور فاقہ شاعر تازہ ام کہ بہم تارفت بیرون بر زباہتا فاد

ان اشعار سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ان کا کلام ان کی زندگی ہی میں نہ صرف اطراف
کناف ہند میں بلکہ ہندوستان کے باہر بھی دور دور تک شہور ہو چکا تھا۔ ان اشعار میں جا بجا
ساری دنیا کا ذکر آیا ہے، اس سے وہی ممالک مراد لئے جاسکتے ہیں جہاں فارسی بولی یا سمجھی
جاتی تھی جیسے افغانستان، ایران اور وسطی ایشیا ان ملکوں میں اہل کشمیر تجارت یا تعلیم کے
سلسلے سے برابر آتے جاتے رہتے تھے۔ انہیں کی وساطت سے غنی کا کلام دور دور تک پہنچا رہا
ہوگا۔ اپنے اشعار کے ایران تک پہنچنے کا ذکر تو غنی نے ایک شعر میں صراحت کیا ہے :-

بابران سخن باروان می رود چہ ایران سخن در جہاں می رود

چنانچہ فارسی شاعری کے مؤرخین، بالخصوص اہل ایران نے، جن چند ہندوستانی فارسی گو یوں
کے تذکرے کئے ہیں ان میں غنی کا بھی نام ہے اور دیوان غنی کے نسخے ناشر قندلبریری میں بھی
پائے جاتے ہیں۔ غنی کے کلام کی خصوصیات اور نہرت سے متاثر ہو کر ارباب ذوق نے ان کا کلام
بیاضوں میں نقل کرنا شروع کر دیا تھا۔ غنی کا منتخب کلام بیاضوں میں دبیج کرنے والوں کی فہرست
میں صائب جیسا صاحب نظر بھی شامل تھا۔ اس انتخاب صائب سے اکثر تذکرہ نگاروں نے استفادہ
بھی کیا ہے۔ میر علاء الدولہ اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں :-

”اشعار میں (اے اشعار غنی) اول از بیاض مذکور و باقی از انتخاب دیوانش کہ

مؤلف تذکرہ نمودہ وار دیگر تذکرہ ما و معینہ ما مرقوم می شود“ ۱۷

بعض بیانات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ لوگ غنی کا کلام نقل کر کے ایران وغیرہ لے جایا کرتے تھے
”مجمع النفائس“ وغیرہ کی روایات سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ ہندوستان سے واپسی کے بعد صائب
برابر کلام غنی کی تلاش میں رہتا تھا۔ جب بھی کوئی ہندوستان سے ایران جاتا تو صائب اس سے یہ سوال

سرور کرنا کہ میرے لئے ہندوستان سے کیا تحفہ لائے ہو؟ اور تحفہ سے اس کی مراد ہمیشہ کلام غنی ہے۔
میر حسین دوست سنبھلی نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ صاحب نے غنی کے ایک شعر کا
مطلب دریافت کرنے کی غرض سے ایران سے کشمیر تک کا سفر کیا تھا۔ وہ شعر یہ تھا:-
موی میں ان تو شدہ کراہیں کر جدا کا سہ سر ہا زن

سنبھلی کے بیان کے مطابق مقصد غرض لفظ کراہیں کے معنی کی تحقیق تھی۔ ملاقات ہونے پر
صاحب نے غنی سے یہی سوال کیا کہ کیا کراہیں کوئی ایسا رشتہ ہے جس سے کا سہ کو چاک سے جدا
کر لیتے ہیں۔ غنی نے جواب دیا کہ "ہاں" ایسا ہی ہے۔ اس روایت کو محمد حسین آزاد نے
بھی ضمنی اختلافات کے ساتھ دہرایا ہے۔ لیکن سنبھلی کے اس بیان پر مولوی اکرام الحق
نے یہ رائے قائم کی ہے کہ:-

”یہ دوست نہیں کہ مرزا صاحب محض غنی کی ملاقات کیلئے ایران سے چل کر آئے۔“
اور ڈاکٹر امیر حسن عابدی نے بھی لکھا ہے کہ ”روایت مذکور کا مآخذ اشتباہ است“۔ لیکن
ڈاکٹر عابدی جو وجہ اشتباہ بتائی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ انھوں نے اس عام مفروضہ پر تین کر لیا
ہے کہ غنی کی شاعری کی ابتدا سنہ ۱۸۶۷ء میں ہوئی تھی اور چونکہ صاحب کشمیر میں ۱۸۶۲ء میں
آیا تھا، اس لئے امیر حسن عابدی کو یہ خیال گذرا کہ اس وقت تو غنی نے شاعری شروع
بھی نہیں کی تھی، لیکن اس کے بے شمار نوادہ موجود ہیں کہ صاحب کی آمد کے پہلے ہی غنی نے
شاعری شروع کر دی تھی۔ تذکرہ نگاروں نے اس کا بھی ذکر کیا ہے کہ غنی نے اپنا کلام صاحب کو
دکھایا اور اس کا بھی ذکر کیا ہے کہ باہم شعر و سخن کی محفلیں رہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ صاحب نے
اپنی بیاض میں کلام غنی کا انتخاب درج کیا۔ اور بھی شہادتیں ہیں۔ وجہ اشتباہ یہ تو نہیں ہے
لیکن سنبھلی کی روایت اس لئے بھی غلط معلوم ہوتی ہے کہ صاحب کی آمد ہندوستان کے اسباب
کچھ اور ہی تھے۔ اگر کراہیں کے معنی دریافت کرنا ان کے سفر کا مقصد ہوتا تو وہ ایران سے بہت

کشمیر آئے، لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ صاحب جہانگیر کے زمانے میں تجارت کے سلسلے سے ہندوستان آئے اور جہانگیر کے دربار میں رسائی پائی۔ پھر شاہجہاں کے دربار میں ان کی شاعری کے جوہر چمکے اور انھیں ہزاری منصب اور مستعد خان کے خطاب سے نوازا گیا اور شاہجہاں کے ہمراہ انھوں نے دکن کا سفر کیا۔ شاہی دربار میں ہی ظفر خان حسن سے تجدید ملاقات ہوئی۔ جب ظفر خان حسن کشمیر کا صوبہ دار مقرر ہوا تو وہ صاحب کو کشمیر لے گیا۔ ۱۷۰۰ء رضا زادہ غنی نے صاحب کے ہندوستان آنے کا تئیس^{۳۲} سالہ میں کیا ہے اور سفر کی وجہ وطن میں بے قدری بتائی ہے۔ ۱۷۰۰ء ان نقاب جیل کو دیکھتے ہوئے اور کشمیر آنے کے پہلے دلی اور دکن میں قیام کی طویل مدت کو پیش نظر رکھتے ہوئے تذکرہ حسینی کی روایت افانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، البتہ اتنا باور کرنے میں مجھے تامل نہیں ہے کہ صاحب نے قیام کشمیر کے دوران لفظ کراچین کے معنی کے لئے غنی سے رجوع کیا ہو۔

یہ امر بھی مشتبہ ہے کہ ۱۷۰۰ء کے پہلے ہی غنی کے کلام کی شہرت ایران تک پہنچ گئی تھی۔ لیکن ۱۷۰۰ء کے بعد ان کی شہرت کا غلغلہ نقیباً ایران تک پہنچا۔ عہد شاہجہانی میں ایرانی شاعر کا ایک بڑا قافلہ کشمیر آیا، بالخصوص ظفر خان حسن کی ادب نوازی بہنوں کو کشمیر کھینچ لائی۔ یقین ہے کہ یہ صاحبان علم اور دلدادگان فن نقیباً غنی کے اشعار اپنے ساتھ لے جاتے رہے ہونگے اور صاحب تو مصدقہ روایت کی بنا پر انتخاب کلام غنی اپنے ساتھ لے ہی گیا تھا اور اپنے وطن والوں کو اس سے منعارف بھی کرایا تھا۔

آج غنی کی وفات کو تین صدیاں بیت چکی ہیں اور ہندوستان، پاکستان اور وسطی ایشیا وغیرہ میں فارسی کا رواج بتدریج کم ہوتا جا رہا ہے۔ وسطی ایشیا میں تو اس زبان سے دلچسپی رکھنے والے گئے چٹنے ہی رہ گئے ہونگے، لیکن ان ممالک میں آج بھی غنی کے نام پر موجود ہیں۔ وہ ’میک ہندی‘ جس کے نام پر تہا پیرو غنی تھے اب مزاج زمانہ کے بدل جانے سے مقبول

نہیں رہ گیا ہے، پھر بھی ادب فارسی کا کوئی نوآیند صائب کی طرح غنی کے نام کو بھی کبھی فراموش نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ دونوں ایک نئے اسلوب کے نمایاں نمائندے ہیں اور ایک زمانہ ایسا بھی تھا کہ شعراء ان کے بک کی پیروی کو اپنا ایمان سمجھتے تھے۔

غنی اپنے دیوان کی طباعت کے سلسلے میں بھی بہت خوش قسمت رہے ہیں۔ ابنک مطبع مصطفائی، مطبع آصفی اور مطبع نو لکھنؤ کے جو نسخے میری نظر سے گزرے ہیں ان کے حباب سے بھی دیوان غنی کم از کم گیارہ بار ضرور ہی طبع ہو چکا ہے۔ اسی طرح قلمی نسخے بھی بے شمار ہیں۔ کوئی بائیس نسخوں سے تو صرف زیر نظر نسخہ کی ترتیب و تصحیح ہی میں مدد لگی ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی نسخے ادھر ادھر بکھرے پڑے ہیں۔ بد قسمتی سے اس شہرت اور رباب ادب کی مسلسل توجہ کے باوجود، غنی کے دیوان کا کوئی تصحیح شدہ اور مصدقہ نسخہ طبع نہیں ہوا ہے۔ جن چہ نسخوں تک عام لوگوں کی رسائی تھی ان میں بے حد اختلافات تھے۔ اس بات کی ضرورت تھی کہ دیوان غنی کا ایک قابل اعتبار ایڈیشن شائع کیا جائے۔ چنانچہ ”جموں و کشمیر کیڈی آف آرٹس پبلشر اینڈ لیکچر“ نے اب سے کوئی چار برس پہلے یہ فیصلہ کیا کہ ”دیوان غنی“ کا نازہ ایڈیشن شائع ہو اور یہ خدمت جناب محمد امین دارآب کے سپرد ہوئی۔ دارآب نے ہندوستان کے مختلف کتب خانوں کی سیر کی اور غنی کے بہت سے ایسے اشعار ڈھونڈ رکھنے جو مطلوبہ نسخوں میں جگہ نہ پاسکے تھے۔ لیکن چند نسخے ان کی نظر سے بھی گزر نہ پائے تھے اور مختلف نسخوں کا تقابل کر کے اختلافات کی نشاندہی بھی انھوں نے نہیں کی تھی۔ اس لئے تقابل و تطابقت کا کام بھی مجھی کو کرنا پڑا اس میں کافی وقت صرف ہو گیا۔ کیونکہ دارآب نے اشعار کی ترتیب بدل دی تھی اور ایک ایک شعر کے لئے ردیف و اغزلوں کی کوئی نہیں فرمایا تھا اور یہ کام بار بار کرنا پڑا۔ اس سلسلے میں مزید قطع و برید اور اضافہ و ترمیم کی بھی ضرورت آئی۔ جب نئے نسخوں اور بیاضوں تک رسائی ہوئی تو غنی معلومات کی روشنی میں رد و بدل ضروری ہو جاتا۔ اشعار کے ذیل میں تمام حواشی بھی لکھنا پڑے

اب دوبرس کی لگاتار محنت اور زبردست کاوش کے بعد یہ نسخہ اس قابل ہو گیا ہے کہ آپ کے سامنے پیش کیا جاسکے۔

ترتیب دیوان | موجودہ دیوان کی ترتیب ردیف وار ہے۔ ہر ردیف میں پہلے مکمل غزلیں ہیں۔ پھر رباعی و دوبیتی وغیرہ قسم کے متفرق اشعار اور آخر میں فردیات غزلوں کے خاتمے کے بعد رباعیاں ہیں اور ان کی ترتیب بھی ردیف وار کر دی گئی ہے۔ آخر میں قطعات اور شب زیاں ہیں۔ خانے پرستی کی ایک نثری تحریر ہے جس میں انھوں نے اس الزم سرور کی تفصیل بتائی ہے۔ جو ان کے ایک دشمن نے ایک شعر کے سلسلے میں ان پر عائد کر دیا تھا۔ یہ ترتیب مطبوعہ اور قلمی نسخے کی ترتیب سے کسی نہ کسی حیثیت سے مختلف ہے۔ اضافہ شدہ اشعار مختلف قلمی نسخوں سے لئے گئے ہیں۔ قابل ملاحظہ نسخوں سے تفصیلی اور چند نسخوں سے جزوی مدد لی گئی ہے۔ اور اس کو سوجاشی میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔

مطبوعہ نسخوں میں حاشیے پر اشعار کی شرح بھی درج ہے لیکن اس ایڈیشن میں شرح کو اس لئے شامل نہیں کیا گیا کہ اس سے حجم مزید بڑھ جاتا۔ اب حاشیہ پر شرح دینے کا رواج بھی نہیں رہ گیا ہے۔ اسے سختانی نوٹوں کی شکل میں ہی درج کیا جاسکتا تھا۔ لیکن اختلاف نسخہ کی تشریح ہی سے سختانی نوٹوں کا حجم بے حد بڑھ گیا تھا۔ اسے مزید بڑھانا مناسب نہیں تھا۔ بہر حال میرا خیال ہے کہ اسے بعد میں اس دیوان کے منیمہ کے طور پر ضرورت پڑ کر دیا جائے۔

اکثر مخطوطہ اور مطبوعہ نسخوں کی ابتداء میں مرتب دیوان مسلم کا دیباچہ بھی ہے۔ اسے بدستور نقل رہنے دیا گیا ہے۔ بعض فہرستوں میں دیوان غنی کے ایک اور ابتدائی مرتب محمد علی ماہر کے دیباچہ کا ذکر ہے۔ مثلاً بارہویں صدی کے درط کے لکھے ہوئے قلمی نسخہ (دب) میں (جو بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کی ملکیت ہے) آئی وٹاف، سوانائی کے مرتب فہرست نے ”دیباچہ ماہر“ کی نشاندہی کی تھی۔ لیکن نسخہ دیکھنے پر پتہ چلا کہ یہ ماہر کا نہیں بلکہ اُسی مسلم کا دیباچہ ہے۔

اسی طرح رپو کے شاہی کتب خانے کے نسخہ دیوان غنی کے ذکر میں ماہر کے دیا چکے کا ذکر کیا ہے لیکن دیا چکے کی ابتدا اس رباعی سے بتائی ہے جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے ”ع“ اے ذاتِ نو سر دفتر افرادِ وجود۔“ لہٰذا لیکن یہی مسلم کے دیا چکے کی بھی ابتدا ہے۔ غالباً اسی وفاق کی طرح رپو کو بھی تسلیم ہوا ہے۔

تالیخ تذوین دیوان | غنی کے حالات کے بارے میں مختلف تذکرہ نویسوں کے بیانات میں جو عام تضاد پایا جاتا ہے وہی تذوین دیوان غنی کے سلسلے میں بھی ملتا ہے۔ ”کلمۃ الشعراء“ اور ”تذکرہ حبیبی“ کی عبارتوں سے یہ فریضہ نکلتا ہے کہ غنی نے اپنی زندگی میں اپنا دیوان خود مرتب کر لیا تھا۔ قدرت اللہ شوق نے صاحب پر یہ الزم تراشا ہے کہ غنی نے جب اپنا دیوان صائب کو دکھایا تو انھوں نے چند اشعار نقل کر کے باقی دیوان کو عرفِ آب کر دیا اور پھر قدرت اللہ شوق نے افسوس کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”باید غمید کہ مرزا صاحب چہ ظلم و بے انصافی کردہ، خونِ ہمہ مضامین برگردن صائب سہت“ لہٰذا اس کے برعکس ”تذکرہ حبیبی“ کی عبارت سے یہ گونہ نکلتا ہے کہ غنی نے خود ہی اپنے کلام کو سپردِ آب کر دیا تھا۔

”باز غنی دیوان خود را کہ از یک بیت برگزیدہ و ہزار بیت بیاضی نگاہداشتہ و باقی را باب دادہ پیش مرزا (ای میرزا صاحب) گذاشت“ لہٰذا گویا صاحب کی نظر سے گزرنے کے پہلے ہی ایک لاکھ اشعار کا کلیاتِ پانی میں ڈبو یا جا چکا تھا۔ لیکن مجھے ان دونوں ہم متضاد بیانات میں سے کوئی بھی قابلِ قبول معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس کی شہادت موجود ہے کہ غنی نے زندگی بھر اپنا دیوان مرتب ہی نہیں کیا۔ یہ شہادت غنی کی ہر شہادت ہے اور خود ان کے شاگردِ مسلم کی ہے۔ مسلم نے دیوان کے دیا چکے میں صاف و صریح طور سے لکھا ہے کہ:-

دا طبع بدیدہ بالیش ہرگز بیکثر شعر سر فردیادردہ و تذوین دیوان را
تخصیص حاصل شدہ“.....

۲۵) سخن چہرہ کہ از ذات شریفش یادگار ماندہ بود جز بر صفہ رودگار ثبت
 بنمود و خلقی چہرہ کہ طبع لطیفش بجای خود نشاندہ چون تہیان بے خاندان
 در غیبہ ہائی مردم کو چہ بگویم بگردید۔ پیش از آنکہ مسودہ اشعارش نیز از چہرہ
 پذیرد و سخنان بپیش صورت دیوان گیرد، رشتہ حیات از ہم گسخت“ ۱۵

اس تفصیلی بیان اور بالخصوص آخری جملہ سے یہ پوری طرح ثابت ہے کہ تادم مرگ غنی کا دیوان مرتب
 نہیں ہوا تھا۔ غنی یا صاحب ڈبوتے کس کو؟ ہاں کچھ اشعار مسودہ کی صورت میں اور کچھ ایک بیاض یہ
 دہج ملے۔ کچھ غنی کی شہرت کی بناء پر ان کے معصروں کی بیاضوں میں دہج پائے گئے۔ کچھ اشعار
 دوستوں اور جاننے والوں کے حافظوں میں محفوظ تھے مگر باقاعدہ دیوان کی صورت میں جمع نہیں
 ہو پائے تھے۔ غنی کی وفات کے بعد ان کے شاگرد مسلم نے یہ ارادہ کیا کہ غنی کا ایک ایک شعر اور
 ایک ایک مصرعہ جہاں سے اور جس طرح سے مہیا ہو سکے، جمع کر دیا جائے۔ اس طرح دیوان کی تدوین
 اسی سال ہوئی جس سال کہ ”منع روح آن نیک سیر شاہرہ معنی یا طائر سخن بہ آشیان ملا، اعلیٰ شافقہ
 و در فضائی عالم ملکوت پرواز طائران قدس یافتہ“ ۱۶ یہ بات تحقیق سے پایہ ثبوت کو پہنچ چکی
 ہے کہ غنی کا سال وفات ۹۸۷ھ ہے۔ اس لئے مسلم کی شہادت کے مطابق ۹۸۷ھ ہی میں
 سب سے پہلے دیوان غنی کی تدوین ہوئی۔

مرتب دیوان | دیوان غنی کے بعض نسخوں میں یہ عبارت درج ہے :-

”خاتم با اتفاق خادم الفضلاء ملک الشعراء، مرحلۃ شاگردان رشید

ملک شہید، تدوین دیوان سحر باینش غنی شاگردی بتقدیم رسام“ ۱۷

اس عبارت سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تدوین کے کام میں غنی کے ایک دوسرے شاگرد ملک شہید
 نے مسلم کا ہاتھ بٹایا تھا۔ لیکن بنگال الیشیا ملک سوسائٹی کے نسخہ (ب) میں، جو بارہویں
 صدی ہجری کے وسط کی تخریر ہے۔ ”با اتفاق خادم الفضلاء، ملک الشعراء، مرحلۃ شاگردان رشید،

۱۵ ۱۶ ۱۷ دیا چہ مسلم مشمولہ دیوان غنی +

ملک شہید“ کا ٹکڑا ہی غائب ہے۔ جہاں اس کا امکان ہے کہ اس نسخہ میں بیضہ ہو نقل ہونے سے رہ گیا ہو وہاں اس کا قویٰ نزاع امکان ہے کہ یہ ٹکڑا الحاقی ہو اور ملک شہید کے کسی حمایتی نے نقل کرتے وقت بڑھا دیا ہو۔

بہر حال، مسلم کا تنہا یا ملک شہید کی اعانت سے دیوان کا مرتب کرنا ضویر کا ایک ہی نسخہ ہے۔ محمد افضل سرخوش نے تدوین دیوان غنی کا شرف اپنے اتاد محمد علی تاہر، متنبائے میرجعفر معنائی، کو بخشا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:-

”دیوانش کہ سراپا انتخابست مرزا محمد علی تاہر ترتیب دلاوہ، چنانکہ

دیوان میرمعز و بہر علی را فقیر تدوین نمودہ“

محمد حسین آزاد نے اس پر اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ:-

”اشعار اس کے بہت تھے اور مضامین دقیق۔ محمد علی تاہر نے عام فہم اور

اچھے اچھے اشعار چھانٹ کر دیوان مرتب کیا۔“

لیکن چونکہ مسلم نے صاف صاف لکھا ہے کہ مرتے دم تک غنی کا دیوان مرتب نہیں ہو سکا تھا، اسلئے قرین قیاس یہی ہے کہ تاہر نے بھی غنی کی وفات کے بعد ہی ’دیوان‘ مرتب کیا ہو گا۔

تاہر کے مرتب کردہ دیوان کے نسخے اگر اب نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔ البتہ مسلم کے مرتب کردہ دیوان کے نسخے ہر جگہ موجود ہیں۔ جن مرتبین فہرست نے تاہر کے دیباچے کا ذکر کیا ہے، بظاہر انہوں نے سرخوش کے بیان سے دھوکا کھا کر مسلم کے لکھے ہوئے دیباچے کو تحقیق کے بغیر تاہر سے منسوب کر دیا۔

اس بات کا دکھ ہے کہ دیوان غنی کی تدوین کرنے والے مسلم کے حالات کسی تذکرہ میں نہیں ملتے۔ دراصل جبکہ مسلم شاعر بھی تھا۔ اس قسم میں اس کی رابعیوں، متفرق اشعار اور قطعات تالیف موجود ہیں۔ ایک قطعہ تالیف میں تو تمام مصرعہ نامی ثانی عربی زبان میں ہیں۔ اس سے مسلم کے

عالم و ادیب ہونے میں شبہ نہیں رہ جاتا۔ دیباچہ کی عبارت سے بھی اس کی علمیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اپنے شاگرد غنی ہونے کا فکر بھی اس نے خود ہی کیا ہے۔ تلاش کرنے کے باوجود اس سے زیادہ معلومات مسلم کے بارے میں نہیں مل سکیں۔

ملک شہید جنھوں نے بقولے تدوین دیوان میں مسلم کا نام نہ بتایا، نسبتاً کم عین معروف ہیں۔ غالباً یہ وہی ملک شہید ہیں جنھیں لالہ ملک شہید بھی کہا گیا ہے۔ "تاریخ حسن" میں ان کے متعلق یہ مختصر عبارت درج ہے :-

"لالہ ملک شہید از مردم کشمیر بود۔ در شعر گوئی و تاریخ یابی سحر کاری میکرد

و ہم حضرت محبوب جانی کیلزار و یکصد تاریخ نصیبت کردہ و از ہر یک بیت

تاریخ ولادت و وفات آنجناب یافتہ میشود و از نوادہ روزگار است۔ از بسکہ

در درجہ تاریخ گوئی خود مستغرق شدہ بود و برای تقریر و تہنہ عام و خاص را

تاریخ ہی بود۔ موجب آن کہ وقو و ذیل شدہ بود۔ و مجلس فتنہ ابراہیم خان کمال

طاف بہاں لغزینہ بہت۔ از خوش طبعان وقت بہت" لہ

حسن کو بیانی جو علی العموم تفریق و تفریع میں نخل سے کام نہیں لیتے، لالہ ملک شہید کے بارے میں

بہت حق و طور آئے ہیں۔ اسکے ہر کس کی نخل کے مطابق مسلم نام کو ملک الشہداء اور مسرآمد

علاقہ تارکین و شہید بیت نقاب سے بہت بہت۔ لیکن یہ نام میں بار بار مذکور ہے داری کو بھی غلط ہو۔

مختلف نسخے | دیوان میں جو نسخے اب تک دستیاب ہو چکے ہیں ان میں اگر کہ والا نسخہ

(۱) سب سے قدیم ہے۔ یہ نسخہ اب کی دینی سے خریدایا ہے۔ کتاب کا نام تو معلوم نہیں ہے

لیکن کتابت خوش خط اور صحیح ہے۔ تاریخ تقریباً ۱۸۰۰ء ہے۔ چونکہ اس کی ابتدا کے چند صفحات موجود

نہیں ہیں، اس لیے یہ بات قطعیت سے نہیں کہی جاسکتی کہ یہ دیوان مسلم کا ترتیب دیا ہوا ہے یا ماہر کا۔ چونکہ

مسلم نے غنی کے مرنے کے ایک سال بعد ہی دیوان کو کشمیر میں مرتب کیا ہے، اس لیے اگر یہ اسی نسخہ کی نقل ہے

تذکرہ کشمیری میں لکھا گیا ہو گا۔ اس دیوان پر کچھ مہرں بھی ثبت تھیں جو مٹ دی گئی ہیں۔ ان مہروں کا اندازہ ہوتا ہے کہ کسی امیر یا شاہزادے نے اسے اپنے کتب خانے کے لئے حاصل کیا تھا۔ یہ نسخہ کافی مکمل اور ضخیم ہے اور اس میں اور مسلم کے مرتب کردہ نسخہ میں بہت کم فرق ہے۔

سب سے پہلے دیوان غنی کی طبعیت کب ہوئی، یہ بتانا مشکل ہے۔ لیکن جو قدیم ترین نسخہ اب تک دیکھنے میں آیا ہے وہ مطبع مصطفائی، کھنؤ، ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء میں طبع ہوا۔ اس نسخہ کے آخر میں مالک مطبع نے یہ عبارت درج کی ہے :-

”ابن ہقربا داند الغفور، محمد مصطفیٰ خان ولد حاجی محمد روشن خان مبرور و معذور این نسخہ ناسخہ دو این معاصرین را از شرح عمدہ شاحین خلیفہ عبدالرزاق مکی جلہ اللہ من اوصحاب الیمین و دیگر نسخہ صحیحہ قدیمہ و کتب اصطلاحات لغات و تختی میر ناصر علی متخلص بقبیرہ پایہ تصحیح رسانیدہ و اشعار شری شمار و دیگر تصانیف لطیفہ را بر طبق نسخہ مرقومہ ۲۰۲۰ لکھنؤ و دو بخط ولایت نہایت پسندیدہ ارباب این فن متقول و مرتب کنانیدہ در مطبع مصطفائی واقع محلہ محمود نگر زہر اکبری دروازہ منمخدرات بہت السلطنت لکھنؤ تباریخ بہت و بہت رمضان المبارک ۱۲۶۱ھ پیرایہ طبع پوشانید“۔

یہ نسخہ والا نسخہ جو مصطفائی والوں کے پیش نظر تھا ابھی تک دیکھنے میں نہیں آیا ہے۔ اس کے علاوہ جو دوسرے قدیم نسخے محمد مصطفیٰ خان نے دیکھے تھے ان کا بھی کسی کو علم نہیں ہے لیکن مصطفائی والوں نے تصحیح میں کافی کوشش کی ہے اور اس سلسلے میں انھوں نے خلیفہ عبدالرزاق مینی کی شرح اور میر ناصر علی بقبیرہ کے حواشی سے مدد لی ہے مشکوک مقامات کی تصحیح میں کتب اصطلاحات و لغات سے بھی کام لیا گیا ہے۔ آصفی یا نو کشور والوں نے تصحیح وغیرہ میں اتنا اہتمام نہیں فرمایا، اگرچہ نرو تاج دیوان میں مطبع نو کشور کی اہمیت صرف اس ایک بات سے ظاہر ہے کہ انھوں نے اس کے نوائیڈیشن

لکھنا چاہیے۔ نویں ایڈیشن کی ابتدا میں ناشر نے مندرجہ ذیل نوٹ بھی شائع کیا ہے :-

”چونکہ دیوان غنی بہت عرصہ سے اُسی قدیم طرز سے چھپتا چلا آ رہا تھا اور اُس میں اغلاط چند در چند پائے جاتے تھے۔ لہذا اس مرتبہ مطبع ہانے خاص توجہ سے کام لیا اور بہت سے قدیم اور مطبوعہ نسخوں سے اس کی تصحیح کرائی گئی۔ اور جو اشعار کہ مروجہ دواوین میں موجود نہیں ہیں اور قدیمی نسخوں میں موجود ہیں ان کا بھی اضافہ کر کے شائع کیا ہے۔“

دیوان کے بعض ایڈیشنوں میں ایسے اشعار کا بھی اضافہ کیا گیا جو اگرچہ مسلم نے جمع کر لئے تھے لیکن مصلحت کی بنا پر ان اشعار کو شامل دیوان نہیں کیا تھا۔ یہ اشعار مطبوعہ نسخوں میں اس توضیحی عبارت کے ساتھ درج ہیں۔

”اشعار متفرقہ از قسم نوا رنج و لغز لیلیات و بویات وغیرہ کہ مسلم مغفور شاعر گرد مصنف مبرور و جامع بیت اشعار در آخر دیوان از تصنیف لطیف درج ساختہ درینجا بہاں ترتیب جامع بے تقدیم و تاخیر برای تفسیر صغیر و کبیر ہائے سخن بر سرید تا کہ ام شعر از اشعار مشہورہ مصنف باقی ماند۔“

یہ اضافہ شدہ اشعار مسلم کے مرنے کے بعد شامل دیوان کئے گئے۔ مسلم نے جمع کرنے کے باوجود دیوان میں غالباً اس لئے شامل نہیں کئے کہ وہ سچو وغیرہ کو غنی کے شاہدِ شان نہیں سمجھتا تھا۔ اس سبب بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم نے غنی کے اشعار کا انتخاب ایک خاص نقطہ نظر سے کیا تھا اور کافی اشعار نظر انداز بھی کر دیے تھے۔ ورنہ غنی کی بدیہ کوئی اور ان کی شاعری کی طویل مدت کو دیکھتے ہوئے یہ باقی ماندہ چند اشعار ’منٹے نمونہ از خروارے‘ سے زیادہ وقت نہیں رکھتے۔ اس کا ایک یہ بھی ثبوت ہے کہ غنی کے کچھ اشعار کشمیر کی بعض قدیم بیاضوں میں ایسے بھی ملے ہیں جو صنّاعی اور تمثیلی سے مبرا ہیں۔ ظاہر ہے کہ غنی ایسی شاعری پر قادر تھے لیکن انتخاب کرنے والے نے

ایسے اشعار پر زیادہ توجہ نہیں دی۔

جہاں تک خواشی کا تعلق ہے وہ صرف مطبوعہ نسخہ جابت دیوان غنی میں ملتے ہیں۔ اب تک میری نظر سے صرف ایک قلمی نسخہ ایسا گزرا ہے جس میں ابتدائی ۹ غزلیں محنتی ہیں۔ یہ نسخہ (پح، مملوکہ خدا بخش بیگ لائبریری، پٹنہ ہے۔ اس کی تخریر ۴۔ ربیع الثانی ۱۲۷۳ھ کو ختم ہوئی یعنی یہ نسخہ مطبع مصطفائی کے نسخے کی طباعت کے بعد لکھا گیا ہے۔ حاشیہ بھی اس میں دہی ہے جو مصطفائی والے نسخے میں ہے۔ بظاہر کسی نے خواشی کی نقل مشروع کی تھی۔ بعد میں ارادہ ترک کر دیا۔

موجودہ دیوان کی ترتیب کے وقت جب ابکس نسخے پیش نظر رکھ کر چھان میں کی گئی تو متفرق اشعار کے علاوہ کئی رباعیاں، ایک پورٹی شبنوی، تشرکاء ایک وقیع مکرہ اور ایک پوی غزل ملی۔ ان سب کو مناسب موقع سے دبح کر لیا گیا ہے۔ کچھ کلام مختلف بیاضوں میں ملا ہے۔ ”گلتان مسرت“ میں بھی ایسے کئی شعر ملے جو کسی نسخہ میں موجود نہیں ہیں۔ نئے اشعار کا ہر جگہ باقاعدہ حوالہ دیدیا گیا ہے۔

غنی کی تشرکاء جو مکرہ ایہل پہل صرف ریسچ ڈیپارٹمنٹ کے نسخہ دج، میں ملاتھا وہ بعد میں ایشیا نمک، سوسائٹی کے نسخہ دب، اور مصطفائی کے مطبوعہ نسخہ میں بھی دبح یا لایا گیا۔ اس نثری تخریر سے یہ پتہ چلا کہ کسی نے غنی کا ایک شعر چیکے سے تاریخ بدایونی، میں دوسری عبارت کے ساتھ ملا کر لکھ دیا اور اس طرح غنی پر سرقہ کا الزم لگایا۔ وہ شعر یہ تھا

نے جای درون رفتن نے پای برون در ماندہ این دائرہ ام ہیچو جلاجل

سرقہ شعری کے اس الزم سے غنی اس قدر کبیدہ خاطر ہوئے کہ انھوں نے جب تک ”تاریخ بدایونی“ کے دوسرے نسخوں سے مقابلہ کر کے اس جھوٹ کا پول نہ کھول لیا، اس وقت تک شعر کوئی ہی ترک کر دی۔ جب راز الزم تراشی کھل گیا تب انھوں نے پھر شعر کہا شروع کیا۔

اسی طرح ، قاضی عبدالودود صاحب کے مملوکہ نسخہ (پ ع) میں جاڑے سے متعلق ایک پوری شبنوی پائی گئی۔ یہ کسی اور مطبوعہ یا قلمی نسخہ میں پوری کی پوری موجود نہیں ہے۔ اس مثنوی کا ایک شعر ہے

دربین موسم ارب کہ تیخ بخت آب شد آئینہ خانہ سراری حجاب

مطبوعہ نسخوں میں بھی موجود تھا۔ اسکے علاوہ تقریباً پندرہ اشعار نسخہ آگرہ میں بھی درج ملے۔ ایک شعر نسخہ آگرہ (۱۱) میں ایسا بھی ملا جو نسخہ (پ ع) میں بھی نہیں تھا اور وہ شعر یہ ہے

بنامد چود پوانہ کس پیش میں کہ انگر صفت گشت گلشن نشین

اسی طرح نور شید کی وفات سے متعلق ایک رباعی جس سے نور شید کی شخصیت کے قیاس میں کسی قدر مدد بھی ملی، صرف اکبڑی کے نسخہ (۱) میں لکھی ملی اور وہ رباعی حسبِ ذیل ہے:-

از مردن نور شید بگر با خون شد درد دل با خستہ دلاں افزون شد

آسان بود فراقِ اباب کمال خم خاک نشین در غم افلاطون شد

اسی ضمن میں ایک اور رباعی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے نسخہ (ب ۱) میں ملی ہے

از مردن تو حاصل عمر نہاہ شد چیزے کہ صرف گریہ نشد خراج آہ شد

می آیدم کہ تنگ در آغوش گیرمت سنگ سر مرزا تو ام سنگ راہ شد

غرض نئے مواد کی تلاش و جستجو بے کار نہیں گئی اور بہت سا مفید مواد ایسا مل گیا جو مروجہ دو ادین میں نہیں تھا۔ اختلافات و تضادات حتی الوسع کافی تفصیل کے ساتھ عواشی میں دیدئے گئے ہیں اور یہ اضافے یقیناً خوشگوار امانوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جہاں ایک طرف یہ نظر دیکھنے میں آتا ہے کہ بے شمار اشعار درج ہونے سے رہ گئے ہیں وہاں یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض نسخوں میں بہت سے الحاقی اشعار داخل ہو گئے ہیں۔ ایسے اشعار خدا بخش لائبریری ہانکی پور ٹپنے کے نسخہ (پ س) میں بہت ہیں۔ کئی رباعیاں

اور پوری غزلیں بھی ایسی ہیں جو غنی سے منسوب ہیں۔ لیکن کلیم کی ہیں۔ اس دیوان کے صفحہ اول پر فواب مجد الدولہ کا نام لکھا ہوا ہے اور کسی حدیث کی معرفت خرید کیا گیا تھا یہ ۱۵۴ھ کا مخطوطہ ہے۔ اس میں مکمل ممتاز محل سے متعلق تاریخی رباعی بھی شامل ہے یہ

ارتق چوندا کشیدہ ممتاز محل فردا ز ہنگی پیدہ ممتاز محل

باخولین ہمیشہ مادر جنگ زہیم فردوس محل گریدہ ممتاز محل

یہ رباعی قطعی طور پر کلیم کی ہے۔ اسی طرح دوسری رباعیاں بھی اکثر کلیم کے دیوان میں پائی گئیں۔ یہی حال اکثر غزلیات کا ہے۔ بالخصوص یہ غزلیں جن کے مطلعے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:-

مگو جانان کہ نیتان از رخ جانان نظر بین لبے مشکل بود بر روی صاحبانہ در بین

شبِ عید بہت وی باید در بخانہ واکردن بی خشکی زہد و زوہ داران راد واکردن

اے صبا این دل صد چاک بجان پران شانہ سحفہ بان زلف پریشان پران

اگر مرد رہی غلین غار سعی در پاکن قدم از سر کن و سودای منزل اسرار کن

کس نمیکرد دگر در رہن صہبایرین از تو چاک اسی صہبتیابی و ازمایرین

پیش کار سے برہی آید ز دست تنگ من ورنہ جنگی نیست دامن زنا با چنگ من

یہ پوری کی پوری غزلیں "دیوان کلیم" میں موجود ہیں اور اسلوب کے اعتبار سے بھی طرز غنی سے مختلف ہیں۔ لیکن "دیوان غنی" نسخہ (پ س) میں غنی سے بھی منسوب ہے۔ اس طرح کی حرکتیں بعض مرتب اور کاتب نثری کر دیا کرتے تھے۔ یہاں اس کی تشریح اس لئے ضروری ہوئی کہ آئندہ تحقیق کرنے والے اس خازن میں نہ الجھیں۔

اسی طرح ممبئی یونیورسٹی لائبریری کے کتبلاک میں شمارہ ۲۱ کے مقابل ایک

بیاض دیرج ہے جو مختلف مثنویوں پر مشتمل ہے۔ اس میں ایک ”جنگ نامہ“ بھی شامل ہے۔ کیٹلاک میں یہ ”جنگ نامہ“ غنی سے منسوب ہے جس شعر سے یہ شبہ پیدا ہوا وہ حیرت انگیز ہے۔

غنی چون ز وصف آن جہاں پرورست بمقصود باز آمدن بہتر است

ظاہر ہے کہ یہاں غنی تخلص کے طور پر نہیں بلکہ باعتبار معنی نظم ہوا ہے۔ اس شعر سے کسی طرح بھی یہ نتیجہ نکالا ہی نہیں جاسکتا کہ یہ ”جنگ نامہ“ ہمارے یا کسی اور غنی کا ہو سکتا ہے۔ پھر اس ”جنگ نامہ“ میں ذرا آگے چل کر شاعر کا نام بھی باقاعدہ طور پر آ گیا ہے۔ ”باز آمدن بر سر مدعا“ کی سرخی کے ماتحت شاعر نے ابتدائے کلام یوں کی ہے۔

بیا یوسف از ہزل در کش غان حکایت کن از تیغ و نیز و سنان

مہمید ہے کہ یہ تشریحیں آئندہ کام کرنے والوں کے کام آئیں گی۔

کلام غنی کی اہمیت | غنی ہمارے لئے صرف اس وجہ سے اہم نہیں ہیں کہ وہ کشمیر جسے ایران صغیر بھی کہا جاتا ہے، کے سب سے اہم شاعر ہیں۔ بلکہ اس لئے بھی کہ وہ متاخرین شعرائے فارسی میں ایک خاص مقام کے حامل ہیں۔ سراج الدین علی خان آرزو نے ”تذکرۃ الشعراء“ مسی بہ ”مجمع النفائس“ میں ایک ناقابل تردید حقیقت بیان کی ہے کہ:-

”مثل او از کشمیر چہ از ملک دیگر نیز در متاخرین کم بر جاستہ۔ در بستن

مضامین نازہ و بند و بست معانی نو و صفای عبارات از ہم عصران بلکہ از

اکثر گزشتگان پیش قدم است۔“

بعض لوگ ملکی عصبیت کی بنا پر متاخرین کے طرز کو ”سبک ہندی“ کا نام دے کر مطلقاً کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہاں اس پر تفصیل سے بحث کرنے کی گنجائش نہیں ہے کہ اس دور کے یہ تمام رجحانات ہندی فارسی میں ایرانی فارسی ہی کی وساطت سے آئے۔ اس کی اولیت کا سہل بابا خانی کے سر رکھا جائے یا شوکت بخاراوی اور صاحب کے سر عرقی کو اس کا پیشرو ٹھہرایا

جائے یا جاسی کو، ہر سلوب کے ابتدائی نقوش ایرانی شعراء کے یہاں ملیں گے۔ میں نے ”ذکر و فکرِ غنی“ میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے اور اس بیان کو مثالوں سے ثابت کیا ہے، بلکہ ایرانی مورخین ادب اور صاحبانِ نظر کے اعترافات بھی ان کی کتابوں سے کھالے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ ہندوستان میں عہدِ مغلیہ کےواخر میں متاخرین کی طرزِ افراط و تفریط کا کشکار ہوئی لیکن یہ افراط ایرانیوں کے یہاں بھی ناپید نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایران میں صفویوں کا دور اور ہندوستان میں مغل یا دشاہیوں کا عہد فارسی زبان کی توسیع و شاعت کا دور ہے۔ یہ نشر کے فروغ کا زمانہ ہے شعر و ادب نہایت نئے موضوعات میں مقید نہ رہ کر آزاد تر فضاؤں کی طرف پرواز کرنا چاہتے ہیں لیکن وہاں اخطاط و زوال کا دھواں گھٹایو ہے۔ اس لئے ہمارے ادیب و شاعر نئی راہ نکالنے کی بجائے پرانی راہوں میں ہی ٹھہر جاتے ہیں، چمکتی شاخوں پر جھولے جھولتے ہیں، گرتی ہوئی دیواروں پر نقش و نگار بناتے ہیں اور معصومانہ ہنسی منہنتے ہیں۔ کچھ لوگ بھٹک کر غلط راہوں پر جا پڑتے ہیں اور وہیں پرستی کی جھاڑیوں میں الجھ جاتے ہیں اور کچھ صومعہ و حافتہ و مدرسہ کی فضائیں میں سکون ڈھونڈھنے لگتے ہیں لیکن اس عمومی فضائے اخطاط کے باوجود ہمیں اس دور میں ادبی جمود کا نہیں حرکت کا احساس ہوتا ہے کیونکہ اس ترک و تاز میں زبان نئی و مخنوں اور نئے مسئلوں سے روشناس ہوتی ہے اور یقینی طور پر آگے بڑھتی ہے۔

اس طرزِ جدید کو جسے بعض اہلِ ایران نے ’طرزِ ہندی‘ کہہ کر اس کے مرتبہ سے گرا نا اور اس کی کوتاہیوں کا سارا بوجھ اپنے سر سے اتار پھینکنا چاہا، انھیں کی دین تھی اور وہاں بھی یہ قدمیت کی آغوشِ شب سے صبحِ ایسا لود کی طرح جبراً پھوٹی تھی۔ غزل کے ارتقا میں کئی نثریں آئی ہیں اور سعدی سے غنی تک ایک سلسلہ تبدیلیوں کا چلا آ رہا ہے۔ یہ سلسلہ اپنی سست رفتاری کی وجہ سے مادی النظر میں محسوس نہیں ہوتا لیکن اب سے بہت پہلے بھی اہلِ نظر نے اسے بھانپ لیا تھا۔

بیاض دیرج ہے جو مختلف منشویں پر مشتمل ہے۔ اس میں ایک ”جنگ نامہ“ بھی شامل ہے۔
 کیٹلاگ میں یہ ”جنگ نامہ“ غنی سے منسوب ہے جس شعر سے پیشہ پیدا ہوا وہ حیرت انگیز ہے۔

غنی چون ز وصف آن جہاں پر دست بمقصود باز آمدن بہتر است
 ظاہر ہے کہ یہاں غنی تخلص کے طور پر نہیں بلکہ باعتبار معنی نظم ہوا ہے۔ اس شعر سے کسی طرح
 بھی یہ نتیجہ نکالا ہی نہیں جاسکتا کہ یہ ”جنگ نامہ“ ہمارے یا کسی اور غنی کا ہو سکتا ہے۔ پھر اس
 ”جنگ نامہ“ میں ذرا آگے چل کر شاعر کا نام بھی باقاعدہ طور پر آ گیا ہے۔ ”باز آمدن بر سر
 دعا“ کی سرخی کے ماتحت شاعر نے ابتدائے کلام یوں کی ہے۔

بیا یوسف از ہزل در کش غان حکایت کن از تیغ و نیز و سنان
 مہدی ہے کہ یہ بشر جیسے آئینہ کام کرنے والوں کے کام آئیں گی۔

کلام غنی کی اہمیت [غنی ہمارے لئے صرف اس وجہ سے اہم نہیں ہیں کہ وہ کشمیر کے جسے
 ایران صغیر بھی کہا جاتا ہے، کے سب سے اہم شاعر ہیں۔ بلکہ اس لئے بھی کہ وہ متاخرین شعرائے
 فارسی میں ایک خاص مقام کے حامل ہیں۔ سراج الدین علی خان آرزو نے ”تذکرۃ الشعراء“ مسیحی بہ
 ”جمع النفائس“ میں ایک ناقابل تردید حقیقت بیان کی ہے کہ:-

”مثل او از کشمیر چہ از ملک دیگر نیز در متاخرین کم بر جہتہ۔ در بستن

مضامین نازہ و بند و بست معانی نو و صفای عبارات از ہم عصران بلکہ از
 اکثر گذشتگان پیش قدم است۔“

بعض لوگ ملکی عصبيت کی بنا پر متاخرین کے طرز کو ”سب مہندی“ کا نام دے کر مطلق
 کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہاں اس پر تفصیل سے بحث کرنے کی گنجائش نہیں ہے کہ اس دور کے
 یہ تمام رجحانات ہندی فارسی میں ایرانی فارسی ہی کی وساطت سے آئے۔ اس کی اولیت کا سہل
 بابا خانی کے سر رکھا جائے یا شوکت بخاراوی اور صاحب کے سرزمری کو اس کا پیشرو ٹھہرایا۔

جائے یا جامی کو، ہر سلوب کے ابتدائی نقوش ایرانی شعراء کے یہاں ملیں گے۔ میں نے "ذکر و فکر غنی" میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے اور اس بیان کو مثالوں سے ثابت کیا ہے، بلکہ ایرانی موزنین ادب اور صاحبانِ نظر کے اعترافات بھی ان کی کتابوں سے نکالے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ ہندوستان میں عہدِ مغلیہ کے ادب میں متاخرین کی طرز افراط و تفریط کا شکار ہوئی لیکن یہ افراط ایرانیوں کے یہاں بھی ناپید نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایران میں صفویوں کا دور اور ہندوستان میں مغل یا دشاہوں کا عہد فارسی زبان کی توسیع و شاعت کا دور ہے۔ یہ شعر کے فروغ کا زمانہ ہے شعر و ادب بنانے والے موضوعات میں متعین نہ رہ کر آزاد تر فضاؤں کی طرف پرواز کرنا چاہتے ہیں لیکن وہاں انحطاط و زوال کا دھواں گھٹا ہوا ہے۔ اس لئے ہمارے ادیب و شاعر نئی راہ نکالنے کی بجائے پرانی راہوں میں ہی ٹھہر جاتے ہیں، چمکتی شاخوں پر جھولے جھولتے ہیں، اگر تپتی ہوئی دیواروں پر نقش و نگار بناتے ہیں اور معصومانہ ہنسی منہ سے نکالتے ہیں۔ کچھ لوگ بھٹک کر غلط راہوں پر جا پڑتے ہیں اور وہیں پرستی کی جھاڑیوں میں الجھ جاتے ہیں اور کچھ صومعہ و خافتہ و مریس کی فضائوں میں سکون ڈھونڈھنے لگتے ہیں۔ لیکن اس عمومی فضائے انحطاط کے باوجود ہمیں اس دور میں ادبی جمود کا نہیں حرکت کا احساس ہوتا ہے کیونکہ اس ترک و تاز میں زبان نئی و خنوں اور نئے مسئلوں سے شناس ہوئی ہے اور فنی طور پر آگے بڑھتی ہے۔

اس طرز جدید کو جسے بعض اہلِ ایلان نے "طرز ہندی" کہہ کر اس کے مرتبہ سے گرا نا اور اس کی کوتاہیوں کا سارا بوجھ اپنے سر سے اتار پھینکنا چاہا، انھیں کی دین تھی اور وہاں بھی یہ قدمیت کی آغوشِ شب سے صبحِ امیر آلود کی طرح جبراً چھوٹی تھی۔ غزل کے ارتقا میں کئی منزلیں آئی ہیں اور سعدی سے غنی تک ایک سلسلہ تبدیلیوں کا چلا آ رہا ہے۔ یہ سلسلہ اپنی سست رفتاری کی وجہ سے بادی النظر میں محسوس نہیں ہوتا لیکن اب سے بہت پہلے بھی اہلِ نظر نے اسے بھانپ لیا تھا۔

محمد قدرت اللہ کو پاموی نے لکھا ہے کہ:-

”شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی جو پیشواۓ متغزلان بہت کہ پہنچ سخنور سے
پیش از وی طرزی غزل را بدین سلوب لطیف نہ پیودہ و حضرت امیر خسرو
دہلوی قدس سرہ در جمیع اقسام نظم بہ شیرین کلامی گوی بدقت از میدان
بلاغت رپودہ۔ بعد از ان در زمان سلطان حسین میرزا ’والی نرمان‘
مولانا عبدالرحمان جامی و بابا فغانی، و ابلی شیرازی و آصفی و باغنی و غنیم
از روشن متقدمین اندکی تجاوز کردہ بطرز خاص سخن پیرا کنندہ پس از ان جمعی
از سخن بنگان مثل محنت کشی و وحشی یزدی و لسانی و غیرہ صفائی
ان طرز خاص را روشن تر ساختہ محسن دیگر بخشیدند۔ اما مہمصران انہا چون
حسین ثنائی و ملک قنوی و عرفی شیرازی و نظیری نیشاپوری و شیخ علی لکنوی
و شیخ ابوالفضل فیضی و حکیم ثنائی و ترکمانی مسیحی کیارہ منکر روش پیشینان
شدہ طرزی جدید بر روی کار آورده سحر سامری و انمودند۔ و میرزا جلال امیر
بانی بنیاد خیال بندی گردید و شوکت بخاری ان را تا بہ زیر ساخت و شیخ
ناصر علی بہرندی و موسوی خان فطرت و محمد افضل سرخوش خیال را بہ مرتبہ
افضی رسانیدند کہ دست ہر نابالغ بدان نمے رسد و غنی کشمیری و میرزا
صائب اصفہانی در صنعت تمثیل بے مثل برآمدند۔“

”نتائج الافکار“ کی اس عبارت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ عہد بعد تبدیلی صرف محسوس کجبار ہی
نہی اس کے سائینی تجربہ کی نوبت نہ آئی تھی۔ آخر میں صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ جلال امیر
شوکت، فطرت و غیرہ نے خیال کو افضلیت دی اور صائب و غنی تمثیل کے مرد میدان قرار
پائے۔ لیکن شبلی نعمانی نے اس طرز جدید کا بانی اول بابا فغانی کو قرار دیا اور رضا زادہ شفق

نے اولیت کا شرف امیر خسرو کو عطا کیا۔ خسرو اور فغانی کے درمیان جو بُعد زمانی ہے وہ ظاہر ہے درہل یہ ایک ارتقائی کیفیت ہے جو غزل جیسی صنفِ سخن کے لئے لازمی ولابدی تھی۔ لیکن سعدی کی ذکر پر کب تک چلتے رہتے۔ جب بھی ذرا حالات بدلتے تو شعر اس شاہراہ سے ڈرامٹ کر اپنے لئے پگڈنڈیاں بنالینے۔ اس میں اولیت کے تعین کی کوشش بے سود ہے۔ پہلے خسرو و حاجی و فغانی کے یہاں، پھر محترم کاشی و وحشی یزدی کے یہاں، پھر عربی و فیضی کے یہاں اور آخر میں صائب و غنی کے یہاں جو کچھ ہے اُسے راہ ارتقا کا ایک سنگ میل اور تجزیہ و اجتہاد کا ثمر سمجھنا چاہئے۔ لیکن یہ اجتہاد غزل کے فطری ارتقا، کے محرکات کا مجموعہ تھا۔

تجدیدی اس طویل روایت کا یہ اثر بھی ہوا کہ غزل کے بیرونی حد و خال اس حد تک بدل گئے کہ امداد امام اثر جیسے نافذ صائب کے کلام کو غزل ماننے ہی سے انکار کرنے لگے چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

”فارسی میں مرزا صائب اور اردو میں شیخ ناسخ باوجود دیگر گونے کے کلام کے اس حسنِ مقبولیت سے محروم ہیں جو حافظ اور میر کو نصیب ہوا ہے۔ صائب غزل گوئی کے طریقے کے خلاف کاربند ہیں..... حقیقت یہ ہے کہ صائب اور ناسخ نے ایک ایسی صنفِ شاعری ایجاد کی ہے جو غزل مرئی اور قصیدہ گوئی کے درمیان کی ہے۔ کاش یہ دونوں شاعر گرامی اور کس صنف کو نرتی دیتے یا اور کسی صنف کے موجد ہونے تو شاعری کو ان کی سخن سنجی سے زیادہ نفع پہنچا، کس واسطے کہ ان کا رنگ غزل سرائی کے تقاضے کے مطابق نہیں ہے۔“

خورشیدالاسلام ایک قدم اور آگے گئے ہیں اور انہوں نے اس تبدیلی کا سماجی تجزیہ کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ جب صائب نے مثنوی شاعری کی باقاعدہ

بنیاد ڈالی اس دور میں :-

” ایک صدیوں پرانے نظام میں تزلزل کے آثار پیدا ہو چکے تھے صواب نے ایک ایسی عظیم اور پائیدار عمارت کے کنگروں کو چلتے دیکھا تو اس نے اپنا یہ فرض جانا کہ وہ پرانے اخلاق اور پرانی حقیقتوں کو مٹا دے اور زندگی کے رواجی اور رسمی پہلوؤں کو جتائے اور نمایاں کرے اور اس طرح اس کمزوری کو قوت سے بدل دے جو عام انسانوں کے عقیدوں اور اعمال میں سماجی نظام کی فرسودگی اور زوال کی پہلی اور اس لئے بہت مؤثر لہر سے قدرتا پیدا ہو چلی تھی۔“

اس توجہ کے ذہنی پس منظر میں بھی یہی سوال ابھرتا نظر آتا ہے کہ صواب اور غنی کی غزل پیشیوں سے نہ صرف ہیئت بلکہ مواد کے اعتبار سے بھی اتنی مختلف کیوں ہے۔؟

امداد امام اثر اور نور شہید الاسلام کے بیانات ایک دوسرے سے ہیج مختلف ہونے کے باوجود اس ایک نقطے پر اکٹرا کر مل جاتے ہیں کہ صواب و غنی تک آتے آتے غزل میں بنیادی تبدیلی آ چکی تھی۔

امداد امام اثر نے یہ پتہ کی بات کہی ہے کہ ان شعراء کی غزل ایک ایسی صنف نظر آتی ہے جو غزل اور قصیدے کے درمیان کی ہے۔ بات یہ ہے کہ قدما نے غزل کو صرف چند مضامین کے لئے مخصوص کر دیا تھا اور یہی حال قصیدے کا بھی تھا۔ لہجے کے اعتبار سے بھی جہاں غزل میں ایک نرمی، لہجہ اور گداز تھا وہاں قصیدے میں علمیت کا غنطہ، الفاظ کی شوکت اور معانی کی بھنگنا رہتی تھی۔

صواب اور غنی کی غزل قصیدے سے علمیت، شوکت الفاظ اور معانی کی سجدہ صبح لیتی ہے، صنایع و بدائع لیتی ہے، رباعی کے تنوع میں فلسفہ و اخلاق سے جلا پائے ہوئے مضامین لیتی ہے، لیکن غزل کی آزاد گفتاری اور سوز و گداز سے کنارہ کشی کر لیتی ہے۔ البتہ علمائے سو پرچوٹیں کرتے وقت غزل میں آزاد ہواؤں کے سنکنے کا اب بھی پتہ چلتا ہے اور کہیں کہیں مادی تجربات کی

گھلاوٹ بھی مل جاتی ہے۔ سراپا نگاری رسمی مثنویوں کی طرح بے روح ہو جاتی ہے اور عشق باطنی کیفیت سے اس طرح عاری ہو جاتا ہے جیسے بالکل ہی ماورائی اور رسمی ہو! مضافیہ کی فرسودگی، پیش پا افتادگی اور بڑی حد تک یک رنگی کو دیکھ کر واقعہً سماجی نظام کے زوال ہی کی بابت نازہ ہوتی ہے۔ لیکن غور شدہ اسلام سے غلطی یہ ہوئی ہے کہ انھوں نے صاحب اور غنی کو اس خطاط پذیر نظام کے ایسے نمائندوں کے روپ میں دیکھا ہے جو اس زوال کا باقاعدہ احساس رکھتے تھے اور متنبیل کی تھوئی ٹھکا کر اس گرتی ہوئی دیوار کو سنبھالنا چاہتے تھے۔ شاہجہان اور شاہ عباس صفوی کے دور کی ظاہری چمک دمک میں صاحب اور غنی کیلئے زوال و اسخطاط کا دھند لکا دیکھ لینا ناممکن تھا۔

میرے خیال میں اس تبدیلی کے تین ممکن وجوہ ہو سکتے ہیں ۱) ایک تو یہ کہ چنانچہ کے عہد کے خاتمے کے قریب پہنچتے پہنچتے مجدد الف ثانی کے زیر قیادت مذہب میں جدت پسندی، اتحاد ادیان کی مساعی میں افراط اور فلسفیانہ آزادہ روی کے خلاف ایک نئی حرکت پیدا ہوئی۔ جس نے شاہجہان کے عہد میں قوت اختیار کرنا شروع کیا اور اورنگ زیب کے زمانے میں خاصے دور رس اور ہمہ گیر نتائج پیدا کئے۔ علماء اور فقہاء کو ایک بار پھر عروج حاصل ہوا۔ دربار میں عالمانہ اور فقہانہ ماحول زیادہ پسندیدہ قرار پایا اور عیش پرستی کے خلاف ایک لہر سی دوڑ گئی۔ چنانچہ شاہجہان کے عہد میں شہید نامی شاعر کو اس جہم میں شہر بدر کر دیا گیا تھا کہ اس نے منہ بول کو ”حسن کا پروردگار“ اور ”عشق کا پیغمبر“ کہہ لینے کی جرأت کی تھی۔ ادھر ایران میں بھی احتساب مذہبی اور تفتیش عقائد کا سلسلہ شاہخ میرزا کے دور میں علانیہ تقویت پانچ گیا تھا۔ ایک بار مولانا حسین نے ایک غزل کہی جس کا مطلع تھا

اے درمہ عالم نہاں تو و پیدا تو ہم درو دل عاشق ہم اصل ملاؤ

بعض علماء نے اس غزل کے چند اشعار کو مایل فقہیہ کے خلاف قرار دے کر مولانا حسین کو گرفتار

دیدیا۔ مولانا کو پوچھ گچھ کے لئے خوارزم سے ہرات لایا گیا۔ مولانا نے اپنی برائت میں بہت سے دلائل پیش کئے اور پھر ٹہری مشکوں سے اس بارے سے نجات پائی۔ اسے یہ سخت گہری مذہبیات ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ علمی مسئلوں اور راویوں کے بارے میں بھی برتی جاتی تھی۔ ملک الشعراء بہار ناقل ہیں:-

”ازیں راہست کہ ادبیات آن عصر خالی از صراحت و استیحاوت ماری
ادبی ہست و روح حقیقی شعر کہ در شبیدن معنی و حقیقت از الفاظ باشد
در میچک ادا تار آن عصر پیا مانی شود۔“ ۱

ایران میں اس تقبیل و قدغن کا سلسلہ صفویوں کے دور تک جاری رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایران ہویا ہندوستان کہیں بھی شعراء نہ تو کھل کر اپنے دور کے سیاسی اور اجتماعی حالات کی نشاندہی کر پاتے تھے اور سخی مفقادات فلسفیانہ و روحانی کا سراغ دے پاتے تھے۔ جب اس اظہار پر سرکاری قدغن کی مہر لگی ہو تو لفظی اور معنوی صنایعوں پر توجہ کا مبذول ہونا ناگزیر تھا۔ اس رجحان کو سنسکرت اور برج بھاشا کی روایات سے بھی تقویت ملی جس کا اثر دہاروں اور علماء کی محفلوں میں بھی محسوس کیا جانے لگا تھا!

دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ اس دور کے بہت سے شعرا خود بھی مذہبی تھے اور چند ایسے بھی تھے جو انتہائی زہادانہ اور متورمانہ زندگیاں بسر کر رہے تھے۔ صائب اور غنی دونوں ہی کا اس طبقے سے تعلق ہے۔ ان لوگوں نے اپنے چاروں طرف ایک اخلاقی پس منظر سے بے تعلقی بھیسی ہوئی پائی تو وہ اخلاقیات کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اخلاقیات کے خشک مضمون میں تازگی پیدا کرنے کیلئے منبیل کا سہارا لینا خوش آئند تھا۔ اس دور میں شعراء کو سنسکرت برج بھاشا اور دوسری ہندوستانی زبانوں سے زیادہ قریبی تعلق پیدا ہوا اور وہیوں وغیرہ کی روایات سے بھی منبیل کے رجحان کو مدد ملی۔ یہ ایک سیدھا سادہ عمل تھا۔ اس کے لئے کسی ایسے

دوازد کار سب کا تلاش کرنا ضروری نہیں ہے کہ بیشعرا کسی عظیم سماجی نظام کی عمارت کو گرتا ہوا دیکھ کر اس کو سنبھالنے کے لئے دوڑے تھے !

تیسرا اور اہم تر سب اس دور کی بڑھتی ہوئی علمیت بھی تھی۔ مدرسوں کی تعداد بڑھ گئی تھی، چھوٹے چھوٹے قصبوں بلکہ بعض دیہاتوں میں بھی ثقافتی اور علمی حرکت کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ عربی و فارسی کے مندا دل علوم کے علاوہ کبیر و جہانگیر و دارا کی سرپرستی میں جو سنسکرت کے عظیم تراجم ہوئے، ان سے نئے علوم و اسالیب کی طرف بھی توجہ ہوئی۔ نسبتاً شاہجہاں کے دور میں زیادہ سکون اور امن کے آثار نظر آئے اور وسیع تر اور ربط تر راہ عمل کھلی۔ اگر اس دور کے جاگیر داری نظام میں تخلیق جدید کی صلاحیت یا ہمت ہوتی تو شاید کوئی بہتر صورت نکلتی۔ لیکن اس وقت یہ نظام زوال کے پہلے کے وقفہ سکون سے گزر رہا تھا، اس لئے توسیعی اور تقلیدی رجحانوں نے زور پکڑا۔ تفتیش و احتساب اجتہاد و آزاد گفتاری کے راستے بند کر رکھے تھے۔ اس لئے تفسیر تشریح، تالیف، تالیخ نویسی، فقہیہ گوئی، مثنوی نگاری، نثری وغیرہ پر نگاہیں پڑنے لگیں اور پھر ترجموں کا کام سامنے آیا۔ اس مہم کا مجید و وسیع میں غزل نے بھی چولا بدلا۔ جامی سے بیکر فغانی و سائب تک شاعروں اور ادیبوں کا ایک قافلہ اسلوب تراشی اور صنعت گری کی راہوں سے گزرتا رہا اور اخلاقی اور عرفانی واردات کے بیان کی بجائے شاہی تارنچوں، عشقیہ اور زمزمیہ نئیوں طویل فقہیہ و اخلاقیات جیسے عمومی مسائل میں الجھا رہا۔ اس کا یہ لازمی نتیجہ ہونا ہی تھا کہ غزل میں بھی جذبات و محاکات کی ترجمانی سے زیادہ لفظوں کے بناؤ سنگار اور تمثیل وغیرہ جیسی صنایعوں پر زیادہ دھیان دیا جائے۔

یہ سچ ہے کہ صناعتی اور بدعت میں، تمثیل اور ایہام میں تازہ گوئی اور معنی آفرینی میں، روحانی لذت اور حسیاتی التذاذ کم ہے۔ لیکن ان میں ایک ذہنی اور علمی کشش ضرور ہے۔ اس دور کی شاعری میں عام افادیت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ شاعری چند مخصوص

حلقوں کے لئے ہے۔ درباروں کے لئے، مسجدوں، خانقاہوں، مکتبوں اور مدرسوں کے لئے
 علما و ادبا کی سخی صحبتوں کے لئے اور کتب خانوں کے لئے۔ اس میں عشق بھی ہے، نضوف بھی ہے،
 فلسفہ و اخلاق بھی ہے۔ اس میں جنگ نامے، مرتبے، شہادت نامے بھی ہیں اور موعظت،
 مناظرہ، فقہ و تفسیر و حدیث بھی ہے۔ مثنوی و واسوحت بھی ہے۔ تہجد و مدحیہ و تہنیت بھی ہیں۔
 اور رباعیاں اور قطعات بھی ہیں۔ لیکن وہ عشق و نضوف جس میں سوز و دردوں اور کیفیات باطنی
 میں نسبت کم ہیں۔ پھر بھی ایسے نضوف کا فقدان نہیں ہے جو اتحاد ادیان پر زور دیتا ہے جو
 باہمی تفرقوں کو بے سود سمجھتا ہے، جو مذہب ظاہری کا مخالف ہے جو عمل خیر کو جہ و عامہ و دنار
 میں محدود نہیں جانتا اور جو علمائے سو، کی ریشہ دوانیوں کے خلاف ہے۔ یہ سمجھ لیتا بھی غلط ہو گا کہ
 اس دور کے ادب میں نضائی یا نظریاتی فکر لگی تھی۔ اس دور میں ہمیں کئی طرح کے متوازی رجحانات
 نظر آئیں گے، یعنی جا بجا سوز و گداز بھی ملے گا اور شرارت و مزاح کاری جذبات بھی۔ خمریات
 کا سرور بھی اور گناہوں کا ظہور بھی۔ المینہ، صناعی اور جدت پسندی کی جانب جھکاؤ زیادہ ہے۔
 اسی طرح، اگرچہ اس دور میں روایت پرستی کا رجحان عام ہے، لیکن کسی گوشے میں
 ایسی عقیدت بھی ابھرتی نظر آتی ہے جو ایک طرف تو روایت کی قطعییت سے بیزار ہے اور دوسری
 طرف جدت کی آزمائشوں سے بھی کسی قدر ضلالت۔ نئی بات، نیا مضمون، نیا طرز بیان، نئی تخیل
 پرانے مضمون کے باندھنے کا نیا ڈھنگ، نیا خیال یا پرانے خیال کا نیا شاخسانہ، یا اس دور کی
 شاعری کے نئے محور تھے جن پر نثر سے بھی گردن کرتے تھے اور چاند سورج بھی۔ لیکن یہ جدت پسندی
 بہت جزوی اور ضمنی تھی، اصل سے کٹ جانے اور نئی سے کلینے رشتہ توڑ لینے کی انقلابی صلاحیت
 اس میں نہیں تھی۔ بڑا چھوٹا کوئی بھی شاعر و ادیب اس سے بچا نہیں تھا، بعض اوقات توجہ چاہتا
 کہ کائن کوئی بچ گیا ہو نا! ایسا ماحول کلیم، سلیم، قدسی، صائب، عینی، احسن، آشنا
 جیسے شعرا ہی پیدا کر سکتا تھا۔ اس عام پس منظر کو سمجھنے بغیر عینی کا سمجھنا مشکل ہو گا۔

اُس دور کا عام نظریہ | غنی کا نظریہ فن، اُس دور کا عام نظریہ فن تھا۔ خیال آفرینی اور معنی آفرینی، تمثیل، ایہام اور دوسری صنعتیں اس زمانے میں شاعری کا طرہ امتیاز تھیں۔ غنی نے ان سب کو برتا۔ وہ اگرچہ صاحب کے شاگرد نہیں تھے۔ لیکن ان پر صاحب کی بہت گہری چھاپ ہے اور یہ اثر ان کے اپنے استاد فانی کے اثر سے زیادہ نمایاں ہے۔ یہاں ان کی شاعری پر تفصیلی بحث مقصود نہیں ہے۔ لیکن ذیل میں تذکرہ نویسوں اور ناقدوں کے چنچلات کے اقتباسات درج کئے جا رہے ہیں جس سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ غنی نے نہ صرف اپنے دور کے بلکہ بعد میں آنے والے صاحبانِ نظر کو بھی کس قدر متاثر کیا تھا۔

سرخوش نے لکھا ہے کہ :-

”صاحب طبع علی بودہ، پایہ سخوڑی را بدرجہ کمال رسانده، از خطہ کشمیر بلکہ تمام افیم ہند بچو کو سخوڑی خوش خیال، نازک بند، معنی یاب برنخانہ اکثر اشعارش بطرز ایہام بہت“ ۱

میرزا محمد طہر نصر آبادی صفہائی نے غنی کی لطافتِ شعری کا اقرار ان لفظوں میں کیا ہے :-

”حقاکہ درست سلیقہ و غریب خیال بود، اشعارش ہمگی لطیف بہت“ ۲

والہ دستانہ جیسے مفاخرت پسند ناقد نے بھی جہاں دوسری مہند و ستانی شعراء کو نظروں سے گرانے کی کوشش کی ہے وہاں غنی کے بارے میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے :-

”غرضکہ درستی زبان و روانی الفاظ و لطافت معانی او مقبول ہمہ بود الحق
ارکشمیر مثل او کسے برنخانہ“ ۳

صاحب ”نثر عشق“ نے غنی کی شاعری کو ان لفظوں میں سراہا ہے :-

”و غنی اگرچہ از تنعم دینوی بے نصیب بود اما از خزانہ معنوی
از بس غنی مثل او شاعر معنی یاب و محاورہ دان از خطہ کشمیر برنخانہ

۱۔ ”کلمات الشعراء“ ۸۳۔ ۲۔ تذکرہ نصر آبادی ص ۷۴۵۔ ۳۔ ”زبائن الشعراء“۔ +

و یابن خوبی و فصاحت نظم نساختہ۔ کلام او فی الحقیقت بہار کتبہ است۔۔۔۔۔
از رنگینی فکر و نگینش چہرہ کلر و یابن در غارہ خوبی وار سوادہ کارش
طرح مرغولہ مویاں در مشکبوی " ۱۷

مولوی احمد علی ساندیلوی نے اپنا ذاتی تاثر یوں پیش کیا ہے

” اشعار نہایت نازک و ہموار و دلچسپ واقع شدہ “ ۱۸

مؤلف ” تذکرۂ فاضل خیرال ” نے مندرجہ ذیل عبارت میں خراج تحسین ادا کیا ہے :-

” وی (عفی) و شیخ ناصر علی از مردم ہندوستان از جملہ آہناند کہ بشعرو
شاعری ایشان فخر توان کرد و مضمون و معنی بہن را از بیان باید اموخت “ ۱۹

حسین دوست بسنھلی کا خیال ہے کہ :-

” شاعر ماہر یک فنّی، محمد طاہر عفی، آب و رنگ گلستان سخن دہشت “ ۲۰

شیر علیخان لودھی نے ” مرآۃ الجنال “ میں نہ صرف عفی کی شاعری پر رائے دی ہے بلکہ ان کی
عظیم مقبولیت کا ذکر بھی کیا ہے :-

” اشعارش مانند گلہا کی کتبہ ہموارہ باطراف معنی و طرز کلامش چون کلام

خوایا پیوستہ باحلاوت، واردات اور ا معنی خاص بسیار است، و مضامین

نارہ بے قیاس۔۔۔۔۔ اچھے از طبع و قافین سرزدہ بود امروز در ایران و

نوران و سواد ہندوستان براواہ والنہ جاری ہست “ ۲۱

اسکی تصدیق مولوی محمد قدرت اللہ گویا مولوی ہندی کے بیان سے بھی ہوتی ہے :-

”۔۔۔۔۔ در مراتب نظم بفکر رنگین شائے عظیم پیدا کرد و از معدن طبع متین

جو از نازک خیالی بکف آورد و کلامش در تمثیل گوئی بے نظیر است و اشعار آبدارش

بکسر دلپذیر۔۔۔۔۔ دیوان فصاحت ترجمان شری در الکاف عالم متداول است “ ۲۲

۱۷ ” نشر عشق “، ورق ۱۶۹۹۔ از جنین قہقان عظیم آبادی کہ مخزن الخراب “۔ ۱۸ ” فانی فی خیال “۔ ص ۶۳۔ نسخہ قلمی
ملک و آزاد لائبریری۔ علیحدہ ۸۔ ۱۹ ” تذکرہ حبیبی “۔ ج ۱۔ ص ۲۲۸۔ ۲۰ ” مرآۃ الجنال “۔ مطبوعہ علی

بجاء ورحان نے شاعری میں غنی کی طرز خاص کا تذکرہ کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غنی کی ابتدائی شان لوگ مدنوں پہلے محسوس کرنے لگے تھے۔ "غنی کشمیری ... دین من طرز خاص اختیار کردہ" ۱۷

ان سے بڑھ کر مشہور شاہجہانی مورخ محمد صالح کینو، جو ہم عصر غنی بھی تھے ان کی شہادت ہے۔ اگرچہ انھوں نے شعراء کی فہرست میں غنی کا نام الگ سے نہیں گنوا یا ہے لیکن شیخ محسن فانی کے ذکر میں حسب ذیل رائے ظاہر کی ہے:-

"چون غنی نام از شاگردان مولانا مذکور خالی از نشاء فیض بود و گذارش کیفیت خاص داشت چند بیت از زاده ہای طبع او نیز درین صفحہ پذیرای نگارش میگردد۔" ۱۸

لیکن تذکروں اور تذاریخوں میں صرف تعریفی عبارتیں ہی نہیں پائی جاتیں۔ ایسی تنقید کی آواز جو تنقیص کا بھی رنگ لے ہوئے ہے، پہلے پہل "آتشکہ آذین سائی دینی ہے:-

"غنی صاحب دیوان است اما از تمام کلیات او اس یک شعر ملاحظہ و نوشتہ شد، بدگفتہ ۱۹

۲۰ قاصد یہ احتجاج کہ طومار روزگار چون باز شد رسید برانی کوئی اور۔" ۲۱

محمد حسین آزاد کے دور تک آتے آتے متاخرین کی وہ طرز جسے ظاہر مضامادی صہبائی "لطیف" کہتا تھا اور صاحب "فانوس خیال" قابل فخر ولایت نامی گردانتا تھا، اپنی دلکشی کھوئے گئی تھی، شاعری کے چہرے سے جدت کا عارہ چھوٹنے لگا تھا اور مہا لوں اور چھاپوں میں فطری حس بھی دبنے لگا تھا۔ چنانچہ آواز نے پہلی بار دبے لفظوں میں وار کیا:-

"طبیعت اُسکی بھی شکل پسند تھی۔ کشمیر میں ایسا شاعر ناک خیال نہیں پیدا ہوا۔

... نازک خیالی اور ایم بندی جو شعراء ہند کا بیوہ ہے، وہی اُس کا بھی ہے۔" ۲۲

۱۷ تاریخ "خراة العالم" قلمی۔ ۱۸ عمل صالح، موبہم، شاہجہانی نامہ، مصنفہ محمد صالح کینو ۱۹ "آتشکہ آذین" ۲۰ از لطف علی۔ ص ۱۸۳۔ ۲۱ "نگارستان قدس" ص ۱۸۳ +

اس کے بعد ادا و اقام اثر نے غنی اور صائب وغیرہ کو غزل گو ماننے سے انکار کیا اور علامہ شبلی نے نو غنی کی ساری محنت کو تقریباً رائیگاں قرار دیدیا :-

”اس زمانے میں مصنفوں آفرینی، خیال بندی کے اشتیاء، نے زبان اور محاورہ

بندی کی طرف سے شعرا کو غافل کر دیا تھا، چنانچہ ناصر علی، غنی، بیدل

اسی پیکر میں پڑ کر لطف زبان سے بگینہ ہو گئے۔“ ۱۷

لیکن مولوی اکرم الحق سلیم نے علامہ شبلی کی اس رائے سے انحراف کیا ہے اور لکھا ہے کہ ”غنی کے دیوان میں متعدد دایبے اشعار ملتے ہیں جن میں محاورہ بندی اور روزمرہ سے کام لیا گیا ہے۔“ ۱۸ غنی کو والدہ دہستانی جیسے صاحب نظر ایرانی نے ”درستی زبان“ کی اور طہر نضرا بادی صہبانی نے ”لطف شعری“ اور درست سیلفنگی کی سند دی ہے اور صاحب ”نشر عشق“ نے غنی کی محاورہ دانی پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔

رہا ”آتشکدہ آذر“ کا یہ قول کہ غنی کے کل دیوان میں صرف ایک شعر قابل ذکر ہے اور وہ بھی برا نہیں کہا ہے ”نہ صرف یہ کہ سراسر بے اضافی پڑھنی ہے بلکہ بد مذاقی کا بھی ثبوت ہے۔“ غنی کے یہاں شگفتہ اشعار ناپید نہیں ہیں۔ جو شاعر ایسے اشعار کہہ سکتا ہو، وہ سادہ و پر کیفیت اشعار کہنے سے عاجز نہیں کہہ جاسکتا ۱۹

یہ برقم درد مندان زار نالیدن ہوں دارم
چون پیر آتش و نیکبیری کشن خن دارم

آگ کشد طبیب ز درد نہان ما
ابن نبض ما خموش تر بہت از زبان ما

یار در چشم و نگہ سرگرم جنت و جوی دست
پردہ ناری دیدہ ام گو یا نقایب روی دست

دیکھ باریک گزارد قدم بجان ما
سزد کہ کعبہ نشو و سنگ آستان ما

بعد مردن ہم نگر دم سیر از صہبا کشتی مے بہ خُم نوشتم چو گردم خاک در میخانہ ما
 کند در پیش آن بای نگار یک سجدہ مار افش بلے کارے بار آتش بہتی نیست ہندو ما
 لیکن یعنی نے جو بنا طرز اپنا یا اس کا اصلی سبب یہ تھا کہ وہ علم و فضل کی سربسہ کی کا دور تھا
 اور دنیا میں علم ہر صحبت کا طرہ امتیاز بن چکی تھی۔ اُس وقت سیدھے سادے شعر کو ”کلام لاجینی“
 سمجھا جانے لگا تھا۔ خود غنی کے اشعار میں بھی اُس دور کے مزعومات شری کی ایک جھلک
 دیکھی جاسکتی ہے۔

مکدر می شود دل از سخن گویان بے معنی بر این آئینہ رنگ طوطیاں ز نگار میگرد
 تنہا معنی آفرینی بھی کافی نہیں سمجھی جاتی تھی۔ بلکہ شاعر کا ذہنی استعداد ہونا بھی ضروری قرار
 دے لیا گیا تھا۔

خامہ بچرید و دود یک بے معنی سعی کارے کند چون بنود استعداد
 استعداد کا مفہوم یہ نہیں تھا کہ علوم میں شہید حاصل ہو جائے اور بس ایسے شاعروں پر تو
 غنی نے چوٹ کی ہے۔

لاف موزونی زندمانند سرو ہر کہ تواند صفہ از بوستان
 اور علم و استعداد کے ساتھ غور و خوض اور فکر و تجسس ضروری سمجھا جاتا تھا۔
 بے فہم اگر چشم بدورد بکتاب تواند دید روی معنی در خواب
 کے غور کنند در سخن بے مغز ان غواصی بحر نیست مفرد و حباب
 خود غنی کا یہ حال تھا کہ بڑے فکر و تامل سے شعر کہتے تھے۔

از فکر تا سخن نشود قابل رقم ہند خامہ سر زگر سیاں نمی کشم
 تامل و فکر سے غنی نے ایک خاص کیفیت پیدا کر لی تھی۔ ان کے وہ اشعار بھی جو بظاہر سادہ نظر
 آتے ہیں ان میں بھی کوئی نہ کوئی مصنوعی باریکی ضرور یہاں ہوتی تھی۔

مے نمایاں تازہ ولے بے نسبت از نہ چشمہ آئینہ کسے آگہ نسبت

”فانوس خیال“ کے مصنف نے ایک دلچسپ روایت بیان کی ہے جس سے غنی کی پسند طبع اور زحجان فکر کا پتہ چلتا ہے۔ صوبہ دار کشمیر ظفر خان آسن کے بیٹے عنایت خان آسن نے ایک بار یہ دعویٰ کیا کہ جو شعر ایک بار پڑھنے یا سننے سے سمجھ میں نہ آئے، وہ بے معنی ہے۔ یہ سن کر غنی نے کہا کہ عنایت خان کی شغریٰ پر جو اعتماد تھا وہ آج سے جاتا رہا۔ اتنا ہی نہیں ہوا بلکہ اس واقعہ کے بعد غنی نے پھر آسن سے کبھی ملاقات ہی نہ کی رہ۔

معنی یابی کے علاوہ، غنی کی توجہ الفاظ کے درو بہت پر بھی رہتی تھی، اگرچہ اہمیت کا شرف معنی ہی کو حاصل تھا۔

آب بود معنی روشن، غنی خوب اگر نسبت شود گو ہر ہست

معنی صاف کہ در غالب الفاظ بدست ہست آئینہ صافی کہ نہاں در دست

غنی کی علمیت، وسعت مطالعہ، ذہانت، صائب و سلیم و کلیم و قدسی و فانی جیسے صاحبانِ نظر کی صحبت ان سب چیزوں نے مل ملا کر غنی کو اس حلقہٴ خاص کا شاعر بنادیا جس کی نظر تازہ مضامین پر ہر وقت مرکوز رہنے لگی۔ جب وہ کچھ لکھنے کو قلم اٹھاتے تو ان کے صریح لک سے نئے معنی پیدا ہوتے۔

ہر دم از گوشہ خاطر حیرت مند دارد معنی تازہ غزل بہت کہ بہت مند دارد

غنی کی کوشش یہی نہیں ہوتی تھی کہ معنی اور مضمون تازہ ہوں بلکہ یہ بھی کہ وہ دوسروں کے مضامین سے لڑنے نہ پائیں اور اس کا ان کے یہاں خاص اہتمام تھا۔

برنداریم ز اشعار کسے مضمون را طبع شاعر نتواند سخن کس برداشت

از نزاکت اوست مضمون من گر بہ مضمون کسے پہلو زند

ظاہر ہے کہ معنی یابی کی اس کوشش میں یا کوری تخیل پر نظر رہ سکتی تھی، یا نہی

تشبیہوں، استعاروں، مبالغوں اور صنایع و یدایع لفظی و معنوی پر۔ پھراٹ پرستراحتیں
 غنی کی از خود عاید کردہ قدغیں اور پابندیاں۔ کثرتِ شعر گوئی سونے پر سہاگہ تھی۔ ان سب کا
 لازمی نتیجہ یہ ہونا ہی تھا کہ خیال بندی اور ضمنوں آفرینی میں بے اعتدالی کے عناصر پیدا ہو جائیں۔
 یہ بے اعتدالی تشبیہ و استعارہ کے استعمال میں بھی نمایاں ہوتی ہے اور مبالغہ کی کثرت میں بھی
 اس لئے بعض شعر یا تو بے کیف ہو جاتے ہیں یا کبھی کبھی چیستان بن جاتے ہیں۔ باریکی خیال بال
 کی کھال کھالنے کا وسیلہ قرار پاتی ہے اور شاعری مشاہدات و محسوسات کی گرمی اور کیف سے محروم
 ہو جاتی ہے۔ اس کا احساس شاید غنی کو بھی تھا

شغرت بہ بیچ دل نر نہ ناخن اے غنی بند از زبان خویش چو انگشت و اسکن !

غنی کی اصل شہرت تمثیل کی بدولت ہے۔ بقول قدرت اللہ گویا تمثیل گوئی میں غنی
 کا کلام بے نظیر ہے۔ کہتے ہیں کہ تمثیل یا مثالیہ شاعری کا آغاز فارسی میں امیر خسرو نے کیا اور
 مرزا صاحب نے اسے عروج کمال پر پہنچایا۔ اس میں شک نہیں کہ خسرو اور صاحب کو شرفِ پیشروی
 حاصل ہے۔ لیکن غنی بھی تمثیل کا بادشاہ ہے۔ تقدّم و تاخر سے بادشاہ کی بادشاہت میں کوئی فرق
 نہیں آتا۔ غنی نے مثالیہ شاعری کو اتنی ترقی دی کہ اسے ایک مستقل فن بنا دیا اور مدتوں غنی کی
 بیروی کو ہندوستان اہی میں نہیں دوسرے ملکوں میں بھی مستحسن سمجھا جاتا رہا۔ غنی کی تمثیل گوئی
 کو مثلاً گاپیش کیا جاتا تھا

چنان تمثیل را دادہ روا ہے کہ از فکر غنی گیرد خرابے

غنی کے طرزِ ہند لال میں ہمیشہ ایک تازگی کا احساس ہوتا ہے، ایسی تازگی جو اس
 دور میں علی العموم پسندِ طبائع تھی۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں ہے کہ اپنے دردِ اعضا تک کا ذکر کرتے
 وقت دعوائی اور دلیل کا سہارا لینا، ایک طرح کی بے اعتدالی ضرور ہے۔ اور غنی کو خود بھی اس کا
 اعتراف تھا

دل بستہ نال بنم ماندم اٹھن سو دور نردباں کردم قصور راہ نامہوار را
 اس کا جواز ایک ہی ہے کہ انھوں نے دوسری بے راہ روپوں کو جنھیں وہ اپنی اولاد خانی اعتبار
 سے ناجائز سمجھتے تھے۔ کلینتہ ترک کر دیا تھا اور عدا ایک نیا جادہ اختیار کیا تھا۔ ایسی صبرت میں
 کبھی کبھی جادہ اعتدال سے بھٹک جانا بجائے خود اپنا ایک جواز ہے۔
 غنی نے دعویٰ اور دلیل کے لئے زیادہ ترمیش یا افتادہ علامات ہی سے کام لیا ہے
 ذیل میں کچھ علامتیں درج کی جاتی ہیں:-

- ۱۔ خیاط، جامہ، قطع، بجنہ، سوزن، دشتہ، پیرہن، تار، لباس
- ۲۔ منگ، طفلان، جھون، جنون، صحرا، دشت، خار، آبلہ
- ۳۔ قفل، کیلبد، آہن، خانہ
- ۴۔ بالش، بستری، پر، سر
- ۵۔ شمشیر، رنگیر، تیر، شکر، پیر، تیغ، خیمہ، مکرک، زخم، زین، رکاب
- ۶۔ زلف، شانہ، آئینہ، گرہ، مشاطہ
- ۷۔ آبیہ، غبار آبیہ، دانہ، نان، تنور
- ۸۔ میخانہ، مستی، شراب، بیشہ، زند، مینا، محتسب، خانہ شمار، ابرہہار، سفر
- ۹۔ بازاری، دکان، سودا، نوازو، کساد
- ۱۰۔ طفل، گھوڑہ، پستان، مادر، شیر، آخوش
- ۱۱۔ بلیل، آشیانہ، پرواز، پروبال، قفس، دم، اسیری، صیاد
- ۱۲۔ گل، گلین، گلچین، باغیان، باغ، چین، زکس، برگ، بید، چار، گلہ، تہ، اسبد
- ۱۳۔ طوطی، آئینہ، سکند، رنگار، نیشکر

۱۷) شطرنج، مہرہ، بساط، خانہ۔

۱۵) شمع، محفل تجلیں، چراغ، دود، پروانہ، پر پروانہ، فانوس۔

۱۶) طبابت، مرہم، دوا، درد، طبیب۔

۱۷) چشم، نگہ، بیمار، سرمہ، میل، سرمہ دان، عینک، بھین

۱۸) نگین، گہر، سولج گہر، مہر

۱۹) شیریں، فراد، بیقون، خسرو، تیشہ، خارا، جوی شیر۔

۲۰۔ شیشہ ساعت، رنگ، خاک بیزی۔

اب ذرا غور کیجئے کہ ان پٹی پٹائی علامتوں میں کیا تاریکی اور جان ہے۔ یہ علامتیں جب ہن میں آتی ہیں تو اپنے ساتھ بندھے کٹے مضامین بھی فوراً لاتی ہیں۔ لیکن غنی کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے یہ اور اسی قبیل کی دوسری علامتیں اپنائیں اور ان میں دعویٰ اور دلیل کی مدد سے ایسی انجلی دیتیں اور جدتیں پیدا کیں، اور نئے نئے مضامین نکالے کہ دیکھنے والے جھوم جھوم اٹھے اور صاحبانِ نظر کو غنی کی قدرتِ شعری اور دقتِ نظر کی داد دینی ہی پڑی۔

غنی نے اسی طرح ایہامِ ہندی کو بھی شعار خاص بنایا۔ ہندوانِ خوشگونے غنی کو سرخیل ایہامِ ہند بنا دیا ہے۔ اور حاجی محمد سالم، سالم کے ذکر کے سلسلے میں لکھا ہے کہ ”غنی ایہامِ اکبر سی نشاۓ بندہ“۔ اس سلسلے میں بھی لوگ غنی کی تاسی کتے اور ان کے شعروں کا جواب لکھنے کی کوشش کرتے، چنانچہ خوشگونے لالہ کریم بخش حضوری کے ذکر میں لکھا ہے کہ:-

”... طرزش یہ صنعت ایہامِ بیارِ مالِ بہت چنانچہ در جواب ہر بیت

اتا دغنی کہ سرخیل ایہامِ ہندان بہت۔ درین ایامِ دہ ہزار بیت مشق

کردہ و اکثر مضامین و معانی تازہ یافتہ“۔

خود غنی کو بھی اپنی استادانہ صلاحیتوں کا احساس تھا۔

”سلف“ ”سلفیہ خوشگو“ دفتر ثالث ص ۳۷۸ لہ ”سلفیہ خوشگو“ ص ۳۸ لہ ”سلفیہ خوشگو“ +

پیر و پاشو کہ ہچون خامہ در راہ سخن پی معنی مینواں بُردن نقش پای ما
اہم تمثیل کے علاوہ، غنی کے یہاں لفظی اور معنوی صنعتیں بکھری پڑی ہیں تضاد،
طباق، مراعات الطیر، تجنیس، لفظ و نشر وغیرہ صنایع کا استعمال جایا ہوا ہے۔

نور شہداء السلام نے پہلے ”تفتید“ میں اور بعد میں ”غالب“ میں تمثیل پر علی العموم
اور غنی اور صائب کی تمثیل پر علی الخصوص اعتراضات کئے ہیں اور اس رجحان کو باعمل رجعت
پسندی کا آلہ کار بنا یا ہے لیکن انہوں نے یہ غفلت نظر انداز کر دی ہے کہ تمثیل ہی نے فارسی شاعری
کو کورج تخیل پرستی، دوزار کا رشتہ بندی اور استعاروں کی جیتان کاری سے باہر نکالا۔ تمثیل
نے ہماری شاعری کو اسی دھرتی پر گھٹٹیوں چلنا سکھایا۔ اور تجربات دنیاوی و مابیل اخلاق کو
باضابطہ موضوع شاعری بنا کر ایک بڑی بے راہ روی سے بچا یا۔ یہ اور بات ہے کہ اس جدید طرز
میں زیادہ دوزیک چلنے کی سکت نہیں تھی، لیکن اس کے اکتا بات سے قطعاً منہ موڑ لینا
صریحی نا انصافی ہوگی۔

غنی کی شاعری، استدلال کے بادلوں میں بھی اڑانے کے حالات، سماجی بے چینی اور
اخلاق حسنہ کی بجلیوں کی چمک دکھانی رہتی ہے، کبھی وہ گرد و پیش کے حالات سے اتنا کلیہ
خاطر ہو جاتے ہیں کہ ایک انقلاب کی ضرورت محسوس کرنے لگتے ہیں۔

انقلاب بے بغم آباد جہاں می خواہم شایدا بن طلوع برگشتہ من ہر گرد
غنی در ملک دنیا انقلابے آرزو دارم کہ خاک از گردن گردوں غبار آید گرد
کبھی کبھی غنی اپنے دور کے حکام کی سخت گیری اور حکومت کے انحصار کی نشاندہی طرح کرتے ہیں
ہنرمی جان زد منہ سخت گیران مینواں بُردن ہرگز کس نگیرد خامہ مورا

روزی ما می شود آخر فیضیب دیگران طلوع برگشتہ ہچوں آیداداریم ما
ہرگز ہر خاک جاری من خاکار نیست روی زمین ز مردم بالانشیں ہرست

اور وہ جہاں بخت اور قسمت کی بات کرتے ہیں وہاں اس طرح لکھارتے بھی ہیں۔

در مکر کہ صد زخم رسد گر بن ما زان بہ کہ بود داغ سپر بریدن ما

کبھی اپنے دور کے تلخ تجربات کو ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔

تا سرکہ پیشانی دونان نچشیدیم — دندان طمع گذشت در دہن ما

خوش عہد کیہ مردم آدم بے سایہ را دبند — غریبیت این زمان گریاۓ آدم شود پیدا

نگین دلست ہر کہ بظاہر ملامت — پنهان درون پنبہ نگر پنبہ دانہ را

کسے پریش احوال من مئے کید — بغیر گریہ کہ آید بحال خویش مرا

ان سب کے علاوہ غنی چمن را علیٰ اذرا خدای کے نقیب تھے۔ وہ انسان کی بزرگی

کا معیار اُس کے علم و فضل، زہد و اتقا کو سمجھتے تھے نہ کہ زرق و برق دار یا جتہ و عمامہ کو۔ اپنے

پیروں پر کھڑا ہونا، محنت کر کے کمانا، غربت میں بھی سینہ تانے رکھنا ان کے نزدیک اس بات

کہیں بہتر تھا کہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا یا جائے یا سر جھکائے جائے۔ آزادہ روی، عزت نفس،

عالی ہمتی، بند کرداری ان کا عام سبق ہے۔ کچھ باہن عام تجربے کے طور بھی بیان کی گئی ہیں۔

ایسا بھی نہیں ہے کہ عتی ایک ٹلائے کتب یا زائد خشک تھے۔ وہ سماع کا شوق

ذوق رکھتے تھے، اور حسن کی ادائوں اور عشق کی جنون انگیزیوں سے واقف تھے۔ لیکن ان کا

عشق سوز درون سے مرگب تھا، ہوس کا اس میں شائبہ بھی نہ تھا۔ انھوں نے حجام کی بھی ہجو

کی ہے اور گھوڑے کی بھی۔ ان کے جاننے والوں میں اسلام خان اور سیف خان بھی تھے اور ان

کے حلیوں میں کلیم و سلیم بھی۔ غرض ان کی ذات مختلف الجہات تھی اور ان کی دلچسپیاں بھی متنوع

تھیں۔ انھوں نے اپنے اسفار میں جا بجا اس کا پتہ بھی دیا ہے۔ لیکن ان کی زیادہ تر توجہ درستی

کردار اور اصلاح معاشرت پر تھی۔ اور انھوں نے غزل کو اس مقصد کے لئے استعمال کیا تھا۔

کہ ایسی غزل جس میں جن و عشق اور شراب و شادی کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہو گوارا بنانے کے لئے

صنایع و دیالغ کا سہارا لینا ضروری تھا۔ غنی نے صائب کی تاسی میں زیادہ تر تمثیل اور ایہام کو وسیلہ بنایا، کیونکہ ان صنعتوں سے بھی اُن کے مقصد کو تقویت پہنچتی تھی۔ جو بات وہ کہنا چاہتے اس کے لئے دلیل بھی دیتے یا پھر ایہام جیسی آسانی سے سمجھ میں آ جانے والی صنعت سے موضوع کی تشکی کو دور کرنے کی کوشش کرتے۔

اس روش کے مقبول ہو جانے سے شاعروں کی توجہ صرف ہوز و درون کے ادا کرنے اور ذاتی مام کی اشاعت سے ہٹی، اور مقصدیت کا ایک احساس ہوا۔ اگرچہ زوالِ سلطنت مغلیہ کے بعد جو اثر انفری پھیلی اُس میں یہ رجحان بھرب گیا اور اس خطاط پذیر رجحانات ابھر گئے لیکن رباعیوں میں یہ اثر باقی رہا اور غزلوں میں کہیں کہیں نظر آتا رہا۔ بحیثیت مجموعی غنی کی ادبی اہمیت کی جو شہرت گذشتہ زمانے میں رہی ہے وہ اُس دور کے مسایل اور تاریخی محکمت کو دیکھتے ہوئے بالکل ہی غنی بخواب غنی کی شاعری کو نور شید الاسلام کی طرح سرے سے مٹھون کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ غنی متاخرین شعرائے فارسی میں جائز طور سے ایک خصوصیت مقام کے مالک ہیں۔

مختصر حالاتِ زندگی

غنی کی ابتدائی زندگی کے حالات بالکل ہی تاریکی میں ہیں۔ اُن کے والد کا نام یاسن ولادت بھی کسی کو معلوم نہیں ہے۔ ولادت کے بارے میں مفتی محمد سعادت کشمیری نے مسئلہ کا تخمینہ لگایا ہے جو بالکل غلط ہے اور محمد امین داراب کشمیری نے مسئلہ کا اندازہ لگایا۔ یہ دونوں ہی اندازے غلط ہیں اور ان پر کوئی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ اتنا قطعی طور سے معلوم ہے کہ جب مسئلہ میں صائب کشمیر آئے تو غنی کی شاعری منظم ہو چکی تھی۔ یقیناً یہ غنی کی جوانی کا زمانہ رہا ہوگا۔

غنی کا فلحنِ اُستائی خاندان سے ہے۔ یہ خاندان بھارا یا خراسان سے ترک وطن کر کے

۱۔ حاشیہ تاریخِ اعظمی۔ ۲۔ زبیر دہن شاہ بانی "ازواجی مختار شاہ اُستائی"۔ ۳۔ "تاریخ حسن" +

کشمیر میں آسا تھا اور اپنے زہد و اتقا کے لئے مشہور تھا۔ غنی نے یہ رجحانات و رشتہ میں پائے اور پھر ذاتی ریاضت اور ترک سے مقام خاص حاصل کر لیا۔

غنی نے تمام علوم متداولہ کی تعلیم پائی تھی۔ ادب کے علاوہ فلسفہ پر بھی گہری نظر تھی اور طبابت کو بطور فن حاصل کیا تھا۔ غنی کے ہاں مذہب میں صرف ملائچھن فانی کا ذکر ملتا ہے۔ غنی نے علوم ظاہری و باطنی دونوں ہی فانی سے حاصل کئے۔

زندگی کا بیشتر حصہ غنی نے کشمیر ہی میں گزارا۔ اگرچہ کچھ تذکرہ نویسوں نے یکھیدا ہے کہ مدت العمر اپنے ہی شہر میں رہے۔ مگر خود غنی نے اپنی ایک رباعی میں اپنے اطراف ہند میں جانے کا ذکر کیا ہے۔

کردہ سہن ہوا می ہند دگر مرا اے بخت رسان بلاغ کشمیر مرا
گشتم ز حرابت غریب تیاب از صبح وطن بدہ طباشیر مرا

اس کے علاوہ بھی ایسے اشعار موجود ہیں جن سے اُن کے سفر کا حال معلوم ہوتا ہے :-

بسکہ شد زنجیر لایم رشتہ حب الوطن در فردایم چو سوزن چشم دارم در قفا
در سفر ہمچشم وطن ہست گل باخار چیدہ را ما نم
چون آسا میسر ز آسایش غنی کہ چشم من بگرد سفر خواب نہ است

وہ کشمیر کے باہر کتنے دن رہے یہ کہنا مشکل ہے۔ لیکن عمر کا بیشتر حصہ اُن کے وطن ہی میں کافی تنگ دستی کے عالم میں گزرا۔ ان کی کوئی گھریلو زندگی نہیں تھی۔ کیونکہ انھوں نے ساری عمر تجرّد کے عالم میں گزاری۔ وہ تارک دنیا تھے اور یہ بات اُن کے تخلص سے بھی صاف آشکار ہے۔

ان کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ایک ٹوٹا پھوٹا مکان تھا، وہ بھی مال و متاع دنیا سے یکسر خالی تھا۔ مسلم نے دیوان غنی کے دیباچے میں صاف صاف لکھا ہے کہ اُن کے پاس کنگد اور قندران کے علاوہ اباب جہاں سے کچھ بھی نہ تھا۔ بس ایک پوریائے فقر زینت خانہ تھا اور غنی

لے دیباچہ دیوان غنی از مسلم۔ لے "شیخ اکبر"۔ ص ۳۷۰ "دسر و آذاد" و "تذکرۃ الشعراء" از میر علاء الملک +

اسی میں مست تھے۔ فقر و فاقہ سے نہ تو چہرہ پشکن آتی تھی اور نہ ان کے پائے بہت میں لغزش۔ وہ ایک گوشہ گیر فقیر تھے جو مال و دولت کی محفلوں سے کتراتے تھے اور بادشاہوں اور امیروں کو خاطر میں نہیں لانے تھے۔ ان کے استغنا کی حالت یہ تھی کہ وہ اپنے نور کیلئے ہمہایہ سے آگ طلب کرنے کو بھی عار سمجھتے تھے۔

مصنف ”مناہیر کثیر“ نے ایک روایت یہ لکھی ہے کہ غنی نے اپنے رہنے کیلئے ایک مختصر سا کمرہ منتخب کر لیا تھا۔ جب اس کمرے میں ہونے تو دروازہ بند رکھتے اور کہیں جاتے تو کووارہ کھلے چھوڑ جاتے۔ کسی نے سبب پوچھا تو بتایا کہ ”دکان کا اہل مال تو میں ہوں۔ جب میں ہی نہ ہوں تو دروازہ بند کرنے کی کیا حاجت ہے؟“ اسی واقعہ کو ڈاکٹر اقبال نے بھی ”پیام شرق“ میں نظم کیا ہے۔

غنی آن سخن گوی بلبل صغیر نواسخ کشمیر مینو نظیر
چو اندر سرا بود در بستہ دہشت چو رفت از سرانختہ را و گدہشت
یکہ گفت اے شاہِ دل رس عجب دار و از کار تو ہر کسے
بپاسخ چہ خوش گفت مرد فقیر فقیر و با قدیم معنی امیر
زمین آہنچہ دیدند یاران رواست درین خانہ جز من مناسے کیست
غنی تالشبند بکا شانہ اش مناسے گرانست در خانہ اش
چو آن محفل افزوز در خانہ نیست نہی تر ازین باہج کا شانہ نیست

کشمیر میں غنی کا زیادہ تر وقت خانہ نشینی ہی میں گزرا اور درس و تدریس یا سفر و شاعری کے علاوہ اگر کسی اور چیز سے انھیں شغف تھا تو ترک و ریاض سے۔ خانہ نشینی ہی کا دوران کی شاعری کے فروغ اور حلقہ درس کی وسعت کا بھی دور ہے۔ اس دور میں انھوں نے دوسٹوں سے ملنا جلتا بھی ترک کر دیا تھا۔

ماندم برون ز مجلس ایزن و آشنا آخر چو حلقہ بر در میگاہی ز دم
 لب کن ان کے بعض ہمائے اور دوسرے حار اس عالم میں بھی اٹھیں ہیں سے نہ بیٹھنے
 دیتے تھے۔ عتی نے کھٹے لفظوں میں اس کا جا بجا شکوہ کیا ہے
 چون نیست در افتاد گیم کس رانک برخاستہ از چہ رو جنگم ہر کس
 اگر چہ عتی کے زمانہ حیات میں ظفر خان آسن، اسلام خان اور سیف خان کے سے علم دست
 اور اہب نواز ائمرا کشمیر میں موجود تھے اور ان میں اسلام خان سے تو ان کے گہرے روابط بھی
 تھے لیکن انھوں نے شہ غری کو کبھی کب رکھا ذریعہ نہیں بنایا اور نہ کبھی کسی سے صلہ منفر کے
 طالب ہوئے۔ ”تاریخ جدیدہ“ میں یہ بات ضرور ظاہر کی گئی ہے کہ عتی نے ۲۵ جلوس شاہجہانی
 میں ایک قصیدہ شاہجہان کی خدمت میں پیش کر کے ہزار روپیہ انعام میں پایا، لیکن مولوی
 اکرم الحق ستیم کا خیال ہے کہ مؤرخ کو سامح ہو گیا ہے اور وہ فروری کو عتی سمجھ بیٹھا ہے۔
 بعض فقی مسخوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ایک رباعی اور نگ زیب کی طرح
 میں اور ایک اس کے گھوڑے کی تفریف میں لکھی ہے جو شامل دیوان ہے۔ یقیناً اور نگ زیب سے
 عتی کو کسی صلہ کی امید نہ رہی ہوگی بلکہ انھوں نے اس بادشاہ کی فقیر منشی سے متاثر ہو کر
 رباعی کہی ہوگی۔ تذکروں میں آیا ہے کہ جب سیف خان کی وساطت سے اورنگ زیب نے
 انھیں دلی طلب کیا تو عتی نے جانے سے انکار کر دیا۔

عتی اپنے منوسلین اور اعزاکو بہت عزیز رکھتے تھے۔ ان میں سے اکثر کی موت ان کے
 سامنے ہوئی اور اس بات نے انھیں زندہ در گور سا کر دیا۔ بالخصوص ایک جوان عزیز خورشید
 کی وفات کا انھیں بہت صدمہ ہوا اور اس صدمہ کا اظہار انھوں نے اپنی کئی رباعیوں میں
 کیا ہے۔ یہ صاف طور سے پتہ نہیں چلتا کہ خورشید کا عتی سے کیا رشتہ تھا، لیکن اشعار سے
 ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو وہ بہت قریبی عزیز تھا یا ہونہار شاگرد۔

اگرچہ سرخوش نے اور پھر اُن کے اتباع میں بہت سے تذکرہ نویسوں نے یہ لکھ دیا ہے کہ غنی کے شعر کہنے اور تخلص پانے کی تاریخ لفظ غنی سے نکلتی ہے۔ یعنی سنہ ۱۰۳۷ھ ہے لیکن یہ کلیتہً غلط ہے۔ نہ نو سنہ ۱۰۳۷ھ میں غنی نے شعر کہنا شروع کیا اور نہ ہمیں انھوں نے یہ تخلص ہی اختیار کیا۔ الہی نامی شاعر کہ جو قطعہ تاریخ غنی نے کہا ہے۔ اُس میں اپنا قدیم تخلص طاہر ہی استعمال کیا ہے۔

گفت تاریخ و فائش طاہر بُرد الہی ز جہان گوی سخن
اس سے عیاں ہے کہ غنی نے ۱۰۳۷ھ تک طاہر تخلص استعمال کیا۔ اس کے بعکس صائب نے اپنی بیاض میں اشعار غنی اسی تخلص سے درج کئے ہیں۔ کتبیر میں صائب کی آمد ۱۰۷۱ھ میں ہوئی ہے۔ اُس وقت تک غنی نہ صرف یہ کہ شاعری شروع کر چکے تھے بلکہ بقول مولانا ثعلبی:-

”یقیناً شعرِ کلیم، صائب، غنی، کتبیر میں مدت تک ہمدم اور ہم قلم رہے

اور باہم شاعرے کرتے رہتے تھے۔“ ۲۷

صائب کتبیر میں ۱۰۳۷ھ میں ظفر خان احسن کے ہمراہ آئے اور وہاں سے جب لوٹے تو ایران چدے گئے پھر ملٹ کر ہندوستان آئے کی نوبت نہیں آئی۔ اسی سفر کتبیر کے دوران صائب اور غنی کی ملاقات ہوئی۔ آمد صائب کے بارے میں کئی بیحد شبہ رواایتیں تذکروں میں موجود ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اس شعر کے معنی دریافت کرنے، ایران سے چل کر کتبیر آئے کہ ۲۸

موی میان تو شدہ کر البین کر جدا کا سہ سر مار تن

اور کتبیر پہنچ کر لفظ کر البین کے معنی معلوم کئے۔ اگر ایسا ہوتا تو صائب ایران سے کتبیر براہ راست آئے ہوتے، مگر ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ صائب کتبیر پہنچنے کے کئی برس پہلے ہندوستان

۲۷ ”کلمات الشعراء“ از سرخوش - ۳۷۲ شریعہ جلد ۳۔ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث ”ذکر و ذکر غنی“ میں ملاحظہ کیجئے۔
۲۸ ”تذکرہ حسینی“ - ص ۲۶۹ +

آئے اور انھوں نے دلی سے دکن تک سفر کیا۔ کشمیر تو آج اپنے ساتھ لائے۔ صاحب اور غنی کے تعلقات کے پیش نظر کئی افسانے تراش لئے گئے ہیں۔ ان میں سب سے دلچسپ "بتان بے خزان" کی داستان ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ:-

"گویند مرزا صاحب براین بیت او:-

حسن سبزی بخط سبز مرکر داسیر دم ہمنگ نے بین بود کر فار شدم
و جد کرد و خط وافی برداشت و بدار اوہ ان کہ این بیت در عوض جمیع عوار

خود گیر و دنیا م خود مشہور کند، کبشمیر رفت۔ فضا را اوقضا کردہ بود۔

حسرت خود کہ گفت: حیف کہ بچو شعر در قیمت کشمیری شدہ۔ لہ

حالانکہ صاحب کی آمد کے تقریباً چالیس سال بعد تک غنی زندہ رہے، اور طرفہ تریات یہ ہے کہ

صاحب "بتان بجزان" جب صاحب کا حال لکھنے بیٹھے تو وہ یہ بھول گئے کہ غنی کے بارے

میں کیا لکھ آئے ہیں۔ ملاحظہ ہو:-

"در سنہ اشین وربعین والف ظفرخان را حکومت کشمیر حبت نظیر بنیتا

پدرش قرار یافت۔ سیر و نماشا ہی آن بہشت برین روی زمین ہمارا منقعات

دانستہ با اتفاق ظفرخان رقت وچندے باب و ہوا ی آبخا جم و

روح را بالیدگی و توانائی دادہ بایران دیار بازگشت۔ لہ

دان روایت کے صحت و سقم سے قطع نظر، اس امر میں شک نہیں ہے کہ صاحب غنی

کی شعری صلاحیتوں سے سجد متاثر ہوئے تھے۔ اکثر تذکرہ نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ

غنی کے "حسن سبزی بخط سبز الخ" والے شعر کو انھوں نے سجد پسند کیا اور اپنی پند کا اظہار

انھوں نے ان لفظوں میں کیا کہ غنی میرا کل دیوان لے لیں اور مجھے یتغر دیں۔ غنی نے بھی

صاحب سے ایک ربط مضموی پیدا کر لیا تھا اور اس کی بنا پر صاحب برابر غنی کو اچھا کرتے تھے۔

جب ہندوستان سے کوئی ایران جاتا تو صائب اس سے یہ سوال کرتے کہ میرے لئے ہندوستان سے کیا تحفہ لائے ہو؟ اور تحفہ سے ان کی مراد ہمیشہ کلام غنی ہو کرتی تھی۔^{۱۴۷} میر علاء الدولہ کے بیان کے مطابق صائب نے اپنی نجی بیاں میں غنی کے دو سوا شمار نقل کئے تھے۔
 غنی کی صحت ٹھیک نہیں رہتی تھی اور وہ اکثر امراض و عوارض میں مبتلا رہا کرتے تھے۔ مسلم کا بیان ہے کہ وہ پڑیوں کا ایک ڈھا بچہ بن کر رگئے تھے۔ انھوں نے جا بجا اپنے در و اعضا کا بیان بڑی اذیت اور کرب کے ساتھ کیا ہے۔ وہ کبھی کبھی تپ بھی مبتلا رہا کرتے تھے۔ بالآخر یہ عوارض جان لیوا ثابت ہوئے۔

غنی نے ۴۹۰ھ میں انتقال کیا اور سری نگر ہی میں دفن ہوئے۔ انتقال کے بارے میں کئی روایتیں مشہور ہیں۔ یہاں نصر آبادی کے تذکرہ کی روایت قابل ذکر معلوم ہوتی ہے:-

”از صحیح القولے مسموع شد کہ بادشاہ والا جاہ ہندوستان، بسیف خان حاکم کشمیر فوت شد کہ او غنی، را روانہ پایہ تخت نماید۔ سیف خان اورا طلبیدہ تکلیف رفتن بہ ہند نمود۔ اورا باموڈہ گفت کہ عرض کنبد دیوانہ است“
 خان گفت ”عافے را چون دیوانہ بگویم؟“ او فی الفور گریان خود را دریدہ دیوانہ وار روانہ خانہ شد، بعد از سہ روز فوت شد۔“^{۱۴۸}

اسی طرح کشمیر ہی نہیں بلکہ سارا ہندوستان اس دور کے ایک عظیم فارسی شاعر سے محروم ہو گیا۔ محمد علی ماہر نے تاریخ وفات کہی ہے

چودادش فیض صحت شیخ کامل محسن فانی غنی سرحلقہ اصحاب او و زکاتہ دانی شد
 ہتی چون کرد برزم شیخ را گفتند تاریخش کہ آکھے سوئی دارا قازار فانی شد

اس کے علاوہ مرتب دیوان، مسلم نے تین تاریخیں کہی ہیں اور کچھ دوسری تاریخیں بھی مختلف حلقوں کی جانب منسوب ہیں۔ سندہ وفات کے بارے میں بھی روایت میں اختلاف ہے۔

لیکن مسئلہ ہی درست ہے۔ لہ

اعترافات

دیوانِ غنی کی ترتیب جدید میں داراب کشمیری نے بڑی محنت کی ہے اور لائڈی
تصحیح کا کام بھی انھوں نے لگن سے کیا ہے۔ ان کے علاوہ حیرت کاٹی اور غلام نبی خیال
نے بھی چند بیاضوں وغیرہ کی نشاندہی میں مدد کی۔ قاضی عبدالودود، امیناز علی
عرشی، بسد صباح الدین عبدالرحمن، ڈاکٹر سید امیر حسن عابدی اور نثار احمد فاروقی نے
کتابوں، تذکروں اور ضروری نقول کی فراہمی میں میری اعانت فرمائی اور اپنے پیش ہوا
مشوروں سے بھی نوازا۔ بنگال الیشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، ریسرنگھ لائبریری، جھڑ،
خدا بخش لائبریری، پٹنہ، دار المصنفین، اعظم گڑھ، دلی یونیورسٹی لائبریری،
آزاد لائبریری، علیگڑھ، رضا لائبریری، رام پور اور کتب خانہ محکمہ تحقیق و اشاعت،
ریاست جھڑ و کشمیر کے منتظمین نے بھی ہر قدم پر تعاون کیا۔ میں ان سب کا اور بالخصوص
”جھڑ اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹس پکچر اینڈ لینگویجیج“ کا بیحد ممنون ہوں کہ اتنا اہم کام پایہ
تکمیل کو پہنچا۔ ❖

اشارات

جن مطبوعہ اور قلمی نسخوں یا بیاضوں کے دیوان غنی کی تصحیح میں مدد
لی گئی ہے، ان کی نشاندہی اشارات ذیل میں کی گئی ہے [

مخطوطات ”دیوان غنی“

(۱) نسخہ مملوکہ جموں و کشمیر اکیڈمی آف آرٹس کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر،
کاتب ملک ابوالہقا۔ تاریخ تحریر ربیع الثانی ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۲۷۱ء۔ غنی کو ”ملک الشعراء
بابا محمد طاہر عرف اشائی، تخلص غنی“ لکھا ہے۔

(۱۱) نسخہ آگرہ، خرید کردہ جموں و کشمیر اکیڈمی آف آرٹس کلچر اینڈ لینگویجز
سری نگر، نام کاتب نامعلوم۔ تاریخ تحریر ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۲۷۱ء قذری ناقص
الاول۔ خوشخط و صحیح۔ تاہم نو قدیم ترین نسخہ۔

(ب) نسخہ مملوکہ بنگال ایسٹیاٹک سوسائٹی کلکتہ (کیٹلاگ ۱۷۷۷ء) کاتب
محمد نعیم۔ تاریخ تحریر ۱۵۔ ربیع الآخر ۱۲۷۰ھ خواہ ۱۲۸۷ھ (مطابق ۱۲۹۱ء خواہ ۱۲۹۲ء)۔
سنہ کے اعداد ناقص لکھے ہوئے ہیں۔ اس پر نصیر الدولہ نصرت جنگ بہادر، حافظ محمد
ناصر خان بہادر اور فورٹ ولیم کالج وغیرہ کی مہریں ہیں۔ آئی و ناف نے سوسائٹی کے
فارسی مخطوطات کی فہرست میں لکھا ہے کہ اس نسخہ میں ماہر کا دیباچہ ہے۔ یہ غلط ہے
اس میں بھی وہی مسلم کا دیباچہ ہے جو تمام معروف نسخوں میں ملتا ہے۔

(ب ۱) نسخہ مملوکہ بمجال الشیخ یاٹک سوسائٹی کلکتہ۔ (کیٹلاگ نمبر ۷۷۵) نام کاتب ندارد۔ تاریخ تحریر ۲۲ جمادی الاول ۱۲۱۵ھ کسی قدر ناقص ہے۔ اس میں کئی غزلیں ماکر فصاید بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

(ب ۲) نسخہ مملوکہ بمجال الشیخ یاٹک سوسائٹی کلکتہ (کیٹلاگ نمبر ۷۷۶) کاتب و تاریخ تحریر ندارد۔ قرائن سے بارہویں صدی ہجری کا نسخہ معلوم ہوتا ہے۔ ناقص الآخر ہے۔

(ب ۳) نسخہ مملوکہ خدا بخش پبلک لائبریری، پٹنہ (نمبر فہرست جلد سوم ۳۳۷/۵۹۷) خوش خط، متعلیق، حواشی مطلقاً، صفحہ اول پر نقش و نگار۔ تاریخ تحریر رمضان المبارک ۱۲۰۶ھ مطابق ۱۲۰۷ھ۔ کاتب محمد فیض اللہ۔ خواجہ محمد جان حبیب کی فرمائش پر لکھا گیا۔

(پ ۱) نسخہ مملوکہ خدا بخش پبلک لائبریری، پٹنہ (نمبر فہرست جلد سوم ۳۳۵/۵۹۶) خوش خط، متعلیق، تاریخ تحریر ۶ ربیع الثانی ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۲۵۱ھ کاتب عبدالحلیم۔ ابتدائی نو غزلیں محشی۔ کاغذ مختلف رنگوں کا۔

(پ ۲) نسخہ مملوکہ خدا بخش پبلک لائبریری، پٹنہ (نمبر فہرست شامات جلد اول ۱۹۱۰/۱۹۰۷) ناقص الاول۔ تاریخ تحریر و نام کاتب نامعلوم۔ مطبع مصطفائی کے مطبوعہ نسخہ کی نقل معلوم ہوتا ہے۔

(پ ۳) ”دیباچہ دیوان غنی“۔ مملوکہ خدا بخش پبلک لائبریری، پٹنہ (نمبر فہرست شامات جلد دوم، ۲۳۷۷/۷۳۷۷) یہ (پ ۴) کا جزو اول معلوم ہوتا ہے۔ شان خط اور کاغذ ایک ہی ہے۔ غالباً جلد سازی کے وقت (پ ۴) سے جدا ہو گیا۔ اور غلطی سے ایک علیحدہ جلد میں شامل ہو گیا۔ یہ دیباچہ مسلم کا تحریر کردہ ہے۔

(پ ۴) ”دیوان غنی کشمیری“ مملوکہ خدا بخش پبلک لائبریری، پٹنہ (نمبر فہرست ۲۲۱۹/۷۸) نام کاتب و تاریخ کاتب ندارد۔ صفحہ اول پر نواب محمد الدولہ کا نام

لکھا ہے۔ غالباً انھیں کے لئے حاصل کیا گیا ہو گا۔ نسخہ کی خریداری کے بارے میں بھی ایک مختصر سی عبارت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے سعد الدی معرفت ۲۔ شعبان ۱۱۵۷ھ مطابق ۱۱۷۱ء خرید گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ تحریر اس سے پہلے ہی کی ہوگی۔

(پ ف) نسخہ مملوکہ خدا بخش لائبریری، پٹنہ (منبر فہرست ۲۷۲۷/۷۳) تاریخ تحریر ۲۸ محرم الحرام ۱۱۸۸ھ مطابق ۱۱۹۷ء۔ کاتب محمد شفیع اصفہانی۔ سنہ کتابت کچھ نا صاف ہے لیکن سنہ ۱۱۸۸ھ ہی پڑھا جاتا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو (۱۱) کے بعد ص سے پرانا نسخہ یہی ہے۔

(پ گ) نسخہ مملوکہ خدا بخش لائبریری، پٹنہ (منبر فہرست ۳۳۷۶) کاتب گورپشاد۔ تاریخ تحریر ۱۷ جمادی الثانی سنہ ۱۱۹۰ء۔ غالباً تیرہویں صدی ہجری کی تحریر ہے۔ (پ ق) نسخہ مملوکہ خدا بخش پبلک لائبریری، پٹنہ (منبر فہرست ۲۷۸۷) نقص الاول والاخر۔ نام کاتب و تاریخ تحریر نامعلوم۔

(پ ع) نسخہ مملوکہ قاضی عبدالودود، بازار پٹنہ۔ نام کاتب و سنہ کتابت معلوم۔ اغلاط سے پر ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کاتب کم علم تھا۔ اندازے سے یہ نسخہ کوئی ڈیڑھ سو برس پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ ایک مثنوی صرف اسی نسخہ میں ملے۔ (ج ب) نسخہ دیوان عتی مملوکہ جامع مسجد ممبئی۔

(ج) نسخہ مملوکہ ریچ ایسٹ پی کیشنز ڈیپارٹمنٹ حکومت جموں و کشمیر (د) نسخہ مملوکہ رضا لائبریری رام پور (منبر ۳۵۲۶ ف) کاتب محمد راہ، تاریخ کتابت ندارد۔ اس پر کسی سید محمد شاہ صاحب کی مہر ہے۔ یہ انتخاب دیوان ہے۔

(د) نسخہ مملوکہ رضا لائبریری رام پور (منبر ۳۵۲۶ ف) کاتب کا نام واضح نہیں ہے۔ تاریخ اختتام کتابت ۲۔ شعبان ۱۱۹۶ھ مطابق ۱۲۰۱ء۔

درب، نسخہ مملوکہ رضا لائبریری، رام پور (۳۵۲۵ ف) ترا اور ترا کے
کے مقابلے میں اس میں کچھ اضافے بھی ہیں۔ تاریخ تحریر ندارد۔

د، نسخہ مملوکہ برٹش میوزیم لندن (فہرست ریو جلد دوم نمبر ۳۰ R ۵)
اٹھارہویں صدی کے نصف اول کی تحریر اور دھ کے شاہی کتب خانہ کا نسخہ۔

نسخہ ہای چاپی دیوان غنی

م، "دیوان غنی" مطبوعہ مطبع مصطفائی، لکھنؤ۔ تاریخ طبع ۲۷۔ رمضان المبارک

۱۲۶۱ھ مطابق ۱۸۴۵ء۔ یہ نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی اور رضا لائبریری رام پور میں
موجود ہے۔ اس نسخہ کی تصحیح محمد مصطفیٰ خان نے ۱۲۰۲ھ کے لکھے ہوئے ایک قلمی نسخہ سے کی تھی۔

۱۴، "دیوان غنی" مطبوعہ مطبع آصفی، کامپور، عشر خیبر، بیچ الاول ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۶۲ء

م، "دیوان غنی" مطبوعہ مطبع نوکلشور، کامپور۔ سال طباعت ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۹ء

مک، "دیوان غنی" مطبوعہ مطبع نوکلشور لکھنؤ۔ طبع ہم بعد از مریم و اضافہ تاریخ طباعت ۱۲۹۱ھ

بیاضیں

۱۲۸۲ھ

- | | |
|--|------|
| بیاض مملوکہ پیر حاتم الدین کاتب کشمیری | دب ح |
| بیاض محی الدین کشمیری مملوکہ شمس الدین حیرت کالی | دب م |
| بیاض قاسم خان مخلص، مملوکہ حیرت کالی | دب ق |
| نقل بیاض زیب النساء بیگم، مملوکہ شمس الدین حیرت کالی | دب ز |

دیباچہ دیوان غنی

از
مسلم شاگرد غنی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

رباعی

اے ذاتِ تو سرِ ذرا وجود ہر بود و نبود را بود تو نمود
تا وصفِ جمیل تو نیامد بمیان حرفِ بجهان بود از گفت و شنود
قادرے کہ گہا ہی رنگین معانی در زمین سخن بسز کرده دست قدرت اوست، و کواکب
درخشان مبانی بر فک معانی پرورده نظر تزیین او، ارواح علوی بایان سقایی برابطہ حکمت او
آتش است، و جامہ الفاظ بر قامت معانی بعلاقہ قدرت او رسا۔ لفظ را بہایت مخفی محرم
خلوت کند، را زکر داندیدہ و معنی را بسفارت لفظ روشن سازد و آواز، مبانی را آئینہ جمال معنی
گر داندیدہ و معنی را بایہ کمال مبانی، این معنی را جز استعداد خود ساخت و آن لفظ را بایہ تعریف
خویش شناخت، لفظ بر کل معنی بلبل غزلخوان شد و شاہ لفظ را معنی از دعا گوین نہبان، ہر
بیزبان را چہ یار کہ از حمد و ثنائی اودم زخم و در چار باز از سخن خود را در زبان مردم افکنم، لا
احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک صدقت یا رسول اللہ
صلوات اللہ علیک و سلامہ، خواصان ابن بحر بے پایان، تا جس نفس کنند گوہر مقصود
نرسند، و ثنائی و ثنائی بیکران تا دست بدمن عجز نرند زخمت از و طہ پلان کشند، ہر گاہ
برافرازدہ لوائی انا افصح در محمد نش زبان گفتگو بکام کشیدہ و شربت شکر را مذاق خاموشی چشیدہ،
من کہ یتیم تاد خور محمد شیش مدے سرایم و حضرت بے چون را بحرف و صوت تایم۔ رباعی

آن پیشرو قافله اہل نیاز سر حلقہ محرمان خلونگہ ناز
 بے کام و زبان تنہای او در خوردید زان سال کہ ز پرده بر نیاید آواز
 اما بعد - مسلم مجرم بعرض میرساند کہ نقد سخن نقد سبت روان، و گنجے است
 از مخازن بزدان، کہ در ہر عصر و زمانے از پیش یکے از خواص عباد و دلیعت میگذارد، تاکہ ہر یکے از
 خاک نشینان خرابہ امکان بقدر امکان بہرہ بردارد درین جزو زمان کہ آوان تازگی و طراوت سخن و گرمی
 بازار این شاع کہن است، اکثر ناقص عیاران این بازار پیرایہ ہنر پوشیدہ در ہر طرف دکان چیدہ اند و
 خندے چند در ششہ در ہم کشیدہ، اما چون بنظر اعتبار ملاحظہ کردہ شود، چہرہ الفاظشان از گوشت
 نہایت معنی خالی است و غایت نظر ایشان بترتیب مرکبات خیالی، معنی و قوے در کلامشان
 معدوم مطلق است و امور مبہومہ در پیش ایشان ثابت و محقق، خلعت این خلافت یکسے سز و کلافطن
 بر قامت معنی چپان است و لفظ و معنیش با ہم دست و گریبان، و قرعہ این دولت نہام کسے افتد کہ
 مصرعش بمصرع دیگر رسیدہ و ارادہ اش بانفس مراد و چار گردیدہ، رباعی
 تو شعر گو کلام لا یعنی را در شعر و سخن رہ بود اعنی را
 طفے است یتیم در کثارت معنی لفظے باید کہ پرورد معنی را
 کلامیکہ ناخن دخل را بکند و گذار و ہم را در حوالی آن راہ ہیفتہ کلام سخن نظام نازک مرعوب و نیمای
 دنی، منظر از اکرالالت یعنی، مرحومی مولانا طاعنی است کہ بشرف و دلیعت این خزانہ رسیدہ، و تخلص
 غنی در شان او از عالم غیب نازل گردیدہ، الفاظش در گیتی نمونہ گہای گلزار است و معانیش در دلیشتی ہم
 لالی شاہوار مصرع مشہورش در بوستان معنی سرو سبت روان، و بہت بہندش در میدان سخن
 رایتہ ظفر نشان، خط محمد مسودہ قلم گو بہر بادش چون خط جوہرهای معدوم، و لفظہ شک بر
 بر صفحہ استعارش پہلو نشین لفظہای مبہوم، حرف ز گیش تا از لب سرزند چون خط نو
 خطان سبزے گردد و سخن نشین تا از زبان بر آید مانند ریختہ قلم خوشنویان کہ سی نشین

و استخوان بندی سخنش جان معنی بقالب لفظی انا باز و بند و بست کلامش شگفتی زبان قلم درست میبازد و نقش مطلع دیوان سخن بافت و نشرش بیت الخزل جریده انشا، به سببش بزبان حال کمال سخن معنی او قایل است و دو مصرع زبیده اش برین دعوی بهر لفظ انتخاب برده و کلام سحر آئینش بهم غیبی است باین معنی ناطق گردیده، اگر چه آن جمیع کلمات بیشتر شاعری شهرت یافته و شعرش درین باب تیز و سبکی بکار برده، اما کلمات شاعری و نمونه است از کلمات دیگر و سخنان نگینش گو نه است از جمال معنی او نیکو سیر طبع بهر بیان هرگز بیک شعر سرفروزی نیاورده و تدوین دیوان را تحصیل حاصل نموده، علم را نقاب عرفان ساخته بود و شعرش پرده داری هر دومی نبود، معارف حقیقی را بر لباس علوم رسمی و پوش میبخت و از سخنان گو ناگون بر فیه و خفته بر بالای هر دوی نداشت، بپایان خود میفرمایک شعر ز شعر من شده پوشیده فضل و دانش من چو میوه که بماند ز بر برگ نهان

اگر افلاطون نشاء از دانشش میداشت هرگز در خم غم نمی نشست و در ترک و بخرید چنان می کوشید که از یکدیگر پیولانش پوئته و استخوانه مانده بود، از اسباب اینچنانش کاغذ و قلم را نه، از عزلت و انزوای ذاتی بغیر از سخنان حشی رام نمیشد و بجز معنی بیگانه بهیکس آشنائی نمیکرد، تنش روح بود محمد مجسم که سخنان یار کیش آئینه حال اوست، و روحش نور معظم که معانی روشنش درین عالم پیچ مثال او، درین کلمات بحجاب فاضل باب عارف معارف حقانی، سالک مسلک سخندان، حضرت شیخ محسن قانی دامت علی صاخر المسلمین فیوضانه انتساب داشت و خود را بقایای فی الشیخ می انگاشت، و در سراسر سال که مرغ روح آن بک سیر شا بهر معنی باطنی سخن تا آشیان ملا، اعلی اش آفته و در فضای عالم ملکوت پرواز طائران قدس یافته، مسخره چند که از ذات شریفش بیا کار مانده بود و جز بر صفحه روزگار ثبت نمی نمود، و خلفه چند که طبع لطیفش بجای خود نمانده، چو نیمیان بی خانمان و غنیمت بای مردم کوچ بکوچه میگردد، پیش از آنکه مسوده اشعارش جمعیت پذیرد و سخنان بیاض صورت دیوان گیرد زنده جیات از هم گسیخت و نسخه وجودش از ترتیب اجزای عصری افتاد.

قطعات تاریخی مؤلفه

از فوت غمی گشت کرد و مه نمیکین هر کس شده در ماتم او خانه نشین

تایخ و فائش ابر پسند، گو
پنهان شده گنج مهرے زیر زمین
۴۷۹
ایضاً

دوش بن گفت قائلے کہ غنی مرد قلت اُسکت انت لیس دیکھا
ال دل اے بخیر برگ نمیرند کیف یموت الذی کیون تقیاً
بست و فائش جز انتقال مکانی کان تقیاً و طاهراً و تقیاً
زندگی دیگرست مرگ عزیزان مرد ولی عند من یكون عبداً
دل زخرد سال چلتش چو طلب کرد قال لنا ان نقول حق غیباً
۱۰۴۹

چون ابن بیچدان کج مع زبان بجاپ آن مغفور بنت شاگردی داشت و از صحبت دایمیش
علم معارف می افراشت، خواستم با اتفاق خادم الفضلاء ملک الشعراء سر حلقه شاگردان رشید
ملک شهید بندوبین دیوان سحر بیانش حق شاگردی بتقدیم رسانم و بشاگردی او خود را استاد
عالمی گردانم، و قصد آن کردم که بیت و مصرع مصرعش از هر چه بهم رسیده بصورت
دیوانی جمع آرم و این ریزه های خوان احانش در سفره اخلاص بگذارم که هر کس ازین نعمت
روحانی بهره بردارد، آن مغفور را بفاصله خیرے یاد آرد و مرا نیز محروم نگذارد، شعر
اگر چه نیک نیم خاک پای نیکنام عجیب که نشنه بمانم سفال ریخام
تفرقه جمیع دوستان جمعیت مبدل باد، بالنسبه واللہ الا طهار ولا اتحاد +

له "باتفاق خادم الفضلاء ملک الشعراء سر حلقه شاگردان رشید ملک شهید" در دب لایافته نمیشود -
گمان غالب آنست که الحاقی باشد +

دیوانِ غنی

بترتیب جدید محمد امین داراب کشمیری

ان

ملا محمد طاہر غنی کشمیری

مقدمہ و تصحیح و حواشی

ان

علی جواد زیدی

ناشر

جموں کشمیر اکیڈمی آف آرٹس کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر کشمیر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

جنونے کو کہ از قیدِ خود بیرون کشم پارا
 کہم زنجیرِ پایِ خوشین دامنِ صحرا را
 بہرزمی پرتالِ مختبِ خوش عزتے دارد
 کہ چون آید بہ مجلسِ نشیہ خالی میکند جارا
 اگر شہرت ہوس داری ابیرِ دامِ عزتِ شو
 کہ در پرواز دارد گوشہ گیری نامِ عفا را
 بہرزمی پرتالِ سرکشی بر طاق نہ زاید
 کہ میرِ زندستان بیجا با خونِ مینار را
 شکست از ہر دور و دیواری بار دگر گروں
 ز رنگِ چہرہ مارِ بخت رنگِ خانہ مارا
 نہ درہ بگردوں روح تابا شد نفس در تن
 رسانی نیست در پرواز مرغِ رشتہ در پارا

غنی روزِ سیاہ پیرِ کفایں را تماشا کن

کہ روشن کرد نورِ دیدہ اش چشمِ زلیخا را

مبارکے بخت بہرِ غرقِ مادرِ شورِ دیارا
 پیرِ ماہی مگر داں بادبانِ کشتی مارا

لباس ماسکسارای تعلق بر نمی تابد بود همچون جباب از بنجیه خالی پیرین مارا
 بود از شعله آواز قلقل بزم می روشن سرت گرم کن خاموش ساقی شمع میبارا
 دم جان بخش او تارنگ حیرت سخت در علم ز مهر آئینه در پیش نفس دیدم مسجارا
 اگر لب از سخن گوئی فرو نیدیم جادارد که نبود از نزاکت تاب بستن معنی مارا
 نمی باشد مخالف قول و فعل دوستان با هم غنی تا چپ رپرسی دستگاه ملک دنیارا^{له}

غنی ساغر کف جمشید پیش می فروش آمد

که شاید در بهای یاده گیرد ملک دینارا

هتی کن ایدل از پرورده خود و دپلورا که آخر نافه تا کشن بود همراه آهورا
 نگردد و شتر من شهروز تاجاں در تنم باشد که بعد از مرگ آهونا فیه سیرول مبدد پورا
 ترا بیب صبا آسوده تا صبح ابد باشد کند شمع از پر پروانه گر تو یزد بازورا
 بزمی جان زد دست سخت گیر من یواں بزن بزمی تیغ هرگز کس نگردد خامه مورا
 کند در پیش آن پای نگارین سجده بازلفش بے کارے به از آتش پرستی نیست هندورا
 فلک در گردش است از بهر خواب بخت نیازم بود در جنبش گهواره راحت طفل بدخورا

غنی از سستی طالع شکست منتد نیازم

پئے سودا بکف گیرم اگر سنگ نزارورا

تواند صورتی دادن شبیه آن پری رورا مصور گر کند از بابل عنقا خاتمہ رورا
 ہزاراں معنی باریک باشد سینت ابرورا بغیر از موشگافاں کس نقد محسنی اورا
 بنغمہ دل چوئی بستند کم طرفان و زین غافل کہ ایں مے آخر از تندی کند سوراخ پہلورا
 میان کشتگاں سر از خجالت برنیداریم ہتی تا چون کمان کردیم از تیر تو پہلورا
 مگر نقلے ز روی نسخہ حسن تو بردارد کہ مہ امشب کیشد از مالہ جدول صفحہ رورا

غنی تا چند باشد سینه چاک از دست عریانی

بتا پیرین دوزید چاک سینه اورا

دیکہ بار گذارد قدم بجائے ما سزد کہ کعبہ شود رنگ آستانہ ما
 سزد کہ دعویٰ ہمایگی بور کنیم کہ صحن خانہ خلق است بام خانہ ما
 دین بہار کہ با سبزہ دم ہم رنگ است چو تخت مرغ نگر دید سبز دانہ ما
 دل از خیال گرہ مای زلف یار بر است گہر ز مہرہ مار است در خزانہ ما

نشو می قدم ما شود غنی و براں

بود ز آہن اگر چوں کلید خانہ ما

ز روی ماہ سبہای بنور ماہ نفرت نیامد بہت بکارے کمال خویش مرا
 کہے پیرش احوال من بنی آید بغیر شدہ کہ آید بحال خویش مرا

ز غنچه تکلیه چو شبنم بر سر نه نهم که به ز بالش پرست بال خویش مرا
 بسان شمع که افتد ز پنبه خود بگداز و بال کردن خود گشت بال خویش مرا

بگلشن دگر چه چشم من نمی افتد

گل مراد شگفت از سفال خویش مرا

دور که صد زخم رسد گر بن زال به که بود داغ سپر بر بدن ما

تا سر که پیشانی دو نان خورشیدیم دندان طمع کند نشد در بدن ما

عمر سیت که جز شکوه ما کار ندارد دوزید لب گور بنابر کفن ما

بر دندان از مردن ما معنی مارا صد شکر که ماندنت بیارال سخن ما

از بس که ضعیفم بیا و کمر او

جز مور دگر کس نبرد گور کن ما

گفتگو بگزینک نبود عاقل و هشیار را در نفس پند تفاوت نخته و بیدار را

طفل شکم گریبازی رو بصره آورد کاغذ بادی شمارد ابر دریا بار را

دل بستند لال بستم ماندم از مقصود دور نزد بال کردم تصور راه نا هموار را

حال ما از نامه بال کبوتر روشن است باچه بنویسیم شرح سینه انگار را

له یار (بیج) ۱۰ "جز مور کس نیست غنی گور کن ما" (دب) ۱۱ "م" ۱۲ "جز مور دگر کس

نبرد گور کن ما" (دب) ۱۳ (بیج) ۱۴ "یکای نیاشد" (دب) ۱۵ +

شیشه مارا محسوب از بکه بردیوار زد کرد مینا کار آخر خانه نخرار

از مه و انجم غنی بر اهل بندش روشن است

کز سفیدی نیست نقصان دیده بیدار

چشم مار روشن شد از خاک در میخانه ما
سعی بهر راحت همایگان کردن خوش است
بریم از سر گرمی ما خورد بریم میکش
در شب زلف تو خواب خوش نصیبم که شود
آتش داغ جنون از سنگ طفلان می کشد
رفت عرم در غریبی بر بساط روزگار
بعد مردن هم نگر دم سیر از صهیبا کشتی
بعد مردن گر خورد افسوس آن سرکش چه بود
گرچه بچوں مهره شطرنج دارم خانه
می به نجم نوشتم چو گردم خاک در میخانه
می گردانگشت شمع از ما خم پروانه

دایم از مستی غنی در رقص چوں دولاب باش

گر نباشد می توان کرد آب در پیما نه ما

ما بلبلاں بلند نازیم خانه را خوش کرده ایم خانه یک آیشانه را

له بجاست (ب)، ۲ کاشانه (ب)، ۳ این شعر در (د)، و دمک،

دیده میشود - ۴ مرگم (د)، و (د)، ۵ دور (د)، و (د)، +

سنگیں دل بہت ہر کہ نظر ہر کلیمت
پہناں درون چنبہ نگر پنبہ دانہ را
شد رنگ آتائے دین ہر شے کہ بود
کافر بیا و سجدہ کن ایں آستانہ را
دندان مار گر چہ با فسون توان کشد
از زلف او جدا نتوان کرد شانہ را
روزیکہ کل ز باغ بغارت برد خزان
بلبل ببادہ سبدا آشیانہ را
سامان دل خیال گرہ مای تلف بہت
گوہر بود ز مہرہ مار ایں خزانہ را

اندیشہ گر ز تنگی گورت بود غنی
در ز ندگی ز خاک بر آور خزانہ را

نماید حکمتش چوں در شفا بخشی بد صہبا
گذارد پنبہ را بر داغ مای از کف دیا
ندارد در ہوا بی گرم لطف آتش صہبا
ہلال عجب دہم گر رگ ابرے شود پیدا
نصیبے نیت از اہل کیم ہر گشت نہ بخان را
کہ ہرگز پُر نسا زد کاسے گر داب را دریا
زبان نئے باوز بلندایں حرف میگید
کہ میسازد بیکدم چوب را صاحب نفس گویا
خوشا عہدیکہ مردم آدم بے سایہ را دیدند
غریب بہت ایں زمان گر سایہ آدم شود پیدا

رہد کے در حصار خط ز دزدان معنی روشن

کجا مہر از کلف محفوظ دارد خرمن مہ را

شد ختم بر حدیث تو آخر بیان ما
باشد نگین نام تو مہر دامن ما

تر پچو آیان شد از آب نان ما
 از تشنگی هست خشک زبان در دمان ما
 آگه نشد طبیب ز درد و نهان ما
 این بنض ما نموش ترست از زبان ما
 گوئی که در نور فلک قحط بینیم
 تا اشتها سوخت نشد پخته نان ما
 از بکه وصف چشم سیاه تو کرده ایم
 گر دیدمیل سرمه زبان در دهان ما
 از صید گاه دیگر شنیم نا امید
 زارغ کمان ما ست شکار کمان ما
 موی سفید است همه گرد آبا
 شد قوت آسای فلک استخوان ما

کس را ز دایم صحبت مردم نجات نیست

عقاست گوشه گیر غنی در زمان ما

اگر میدید بهم اتحاد ببل و گل را
 مصور میکشید از رنگ گل تصویر ببل را
 گر از نا آشنائی چرخ سازد زیر پل غرقم
 از ابل بهتر که بینم روی یاران سرپل را
 خیال نازکم را بنیت ناب ناخن دخی
 غنی هرگز نباشد طاقت فشرنگ گل را

مردم میکنند رنگس زهر جانب اشارتها
 که فضل گل چشم کم نباید دیدگشان را
 سواد کعبه کے منظور را باب نظر باشد
 بسک سرمه حاجت نیست هرگز چشم روشن را
 چو استعداد بود کار از اعجاز نکشاید
 مسیحا کے تواند کرد روشن چشم روزن را
 بود از سینه بیرون کردنی آنک که تنگ بیند
 دلیل راه خود گردان دیں وادی فلان را

بے نشانی دارد آواز بلا وارسته را دم باشد نقش پای خویش صید حبه را
 قید از عشاق و از معشوق آزادی خوش است صرف دم بلبلا کن رشته گلستانه را
 در کمر لبین مضمون ز لکین لطف نیست کم دهد رنگ ارکسے بند و خنای بسته را
 دفع شد و سوسِ خاطر از نماز با حضور مایست بسته و اگر دیم قفل بسته را
 بے نوهر شب تا سحر دار و غنی سوز و گداز

شمع بالین شایه حال است ای دلخنده را

چسب کخم دم لبمل بلند افغان را ز سرمه کرد سینه تاب تیغ مژگان را
 کدام باز ندانم در آشیان بند نیست که هست حکم پر کاه بال مرفان را
 غنی ز فاقه بچشم بدیم بر شکم سنگی گمان بر ند که داریم در بغل نال را

پیش ہیں بر خصم در تندیر سبقت میرود خواب تا چشمت نہ بندد بہ کہ بندی
 ساغر گریخته سبختاں را نصیب از بادہ نیست نیست غیر از آب در پیمانہ ما و لای
 ما بزمی جال زد دست سخت گیران میسریم بیمِ مُفتن نیست چون در قطره های آب

۱۰ در (دک)، ۱۱ اگر ز فاقه بہ ندیم بر شکم گندم (دک)، اما این جا مصرعہ مندیجہ (دوب)، (دک)
 دج، اختیار کرده شد ۱۲ میگذ (دک)، ۱۳ "ہمت" (دک)

دید تا سرگشتیگهای مراد در بحر عشق

آب میگردد ز خواش در دماں گرداب را

سفر چگونگی از دیارِ خاطر ها که دامن تو بگیرد عبا را خاطر ها

ز بیم می بروای محنت که دناست چو پنبه سر میناست بار خاطر ها

چو میل سرمه بر آمد ز چشم جان گفت که میسر یکده شود عبا را خاطر ها

امروز منم شهره عالم ز بیخفی عمر است که از ضعف فقام بر باها

گو بار مجناں نامه مار که خود از شوق آید بسخ صفعه چو اوراق ز باها

کج را بکلف نتوان راست نمودن که تیر توان ساختن از چوب کماها

گشتم بهای دم شمشیر بتان خاک از سنگ مزارم تیرا شنید فساها

عمر است که از شوق خدنگ تو بهر سو در دشت هوس خاک نشیند نشاها

از یادستان تا نزد قتل غنی رود

بنت از رگ جلا رشته بر انگشت سناها

شب که ساز دغم آغوش تو بیتاب مرا گر بود فریش ز غمل نبرد خواب مرا

تاز باں چون فلم از کام نیا مدیروں یکدم این چرخ سبیه کاسه ندا آب مرا

سوی مسجد نہ ہدفِ بدم راہ ہنوز گرچہ از بارگاہِ ساخت چو محراب مرا
آبِ تیغِ چو گذر در دلِ مجروح کند بجہ چون موج شود زخم چو گرداب مرا
دہر نامن چنان گشتہ کہ چون مردمِ چشم

تا در خانہ نہ بندم بند خواب مرا
جانرا بکویِ دستِ رواں میکنیم ما یعنی کہ کارِ عشق بجاں میکنیم ما
مطرب گر آرزوی تو فریادِ مابود مانند بدیدہ فغان میکنیم ما
مشہور در سوادِ جہاں از سخن شدیم همچون قلم سفر بزاں میکنیم ما
نتوان چو ز اہد از رہِ خنکی کبہفت کشتی بہ بحر بادہ رواں میکنیم ما

مارا پویشِ مرگ بود خامشیِ غشی

اظہارِ زندگی بزباں می کنیم ما

یک سحر از دمِ اے دولتِ بیدار بیا روزم اے ماہ شدہ بیتوشب تار بیا
حلقہ در سبگرِ رخنے دیوارِ بدین چشم در راہ تو دارد در و دیوار بیا
عذر در راہ وفا پیش نخواہد رفتن بر سرِ عذر میا بر سرِ رفتار بیا

ز نقشِ پانچِ گل ما گشتہ قالی را نہالِ ساختمہ سرو قدت نہالی را
فراغتہ بہ بیتانِ بوریا دارم مباد راہِ دین بیشہ شیر قالی را

نہیں شود سخن بہت فطرتان مشہور بلند نیست صد کاسہ سفالی را

راختہ بندی خوب قفس شہم محتاج دگر علاج ندیدم شکستہ بالی را

غنی اگر چہ فقیر است ہمتے دارد

فشانہ است بگوین دست خالی را

بر زبیں پیوستہ می بینم زلف یار را کے رودانہ سروہای خاک بیرون مار را

تا نورفتی رفت اگر کف نقد عیش دلواز باد در دست است دایم بے قوم و سقار را

سخت دل کے میرا نہ پیر و خود را بکام آب پکیاں تر نمیسازد لب سو فلرا

کوہن گر جنگ باخار کند بوجہ نیست در دل اغیار نتوان دید نقش یار را

تا کے اے بیرحم چشم خویش می بندی ما طاقت لبثن نباشد مردم بیمار را

بادہ نوتاں را غنی از آتش دوزخ چہ باک

شعلہ شاخ گل بود مرغان آتش خوار را

نقد در خانہ زبیں چوں گذار آں نصبت ہیں را پر پر دانہ سازد شمع حشش دامن زبیں را

بہم شیر و شکر آمیزشے دارد مینداغم کہ رہ چوں نیست حشیم سفیدم غائب ہیں را

کجا اہل ریاء آگہی از درد دین باشد کہ خوانند از پی فوت نماز این قوم ہیں را

غنی تاد نفس چوں رشتہ گلستہ میگردد ز باغم گر بتقریر آورد اشعار نگین را

میکند روشن خیال مهر ویش سینه را عکس می نختد جلاچوں ماه این آئینه را
 دیدم از چاک گریه میانش صفای سینه را من گمان بردم که دارد در بغل آئینه را
 خاطر غماز زبیر بار کلفت بهتر است سدره عیب جوئی گشت زنگ آئینه را
 همچو بیدر و انسا زدم چشم بر مهرم سیه مشک می پاشم بر نگ لاله داغ سینه را
 چون غنی هر کس که دم از خاکساری میزند

می تواند کرد روشن از نفس آئینه را

اعتماد نیست برگردول که در وقت بنا ریخت معمار قضا رنگ از شفق این خانه را
 طبع آن شاعر که شد با طرز دزدی آشنا معنی بیگانه داند معنی بیگانه را
 چشم عاشق روشنست از پرتو دیدار دست شمع تخیل وادی ایمین بود پروانه را
 عاشقان را میشود نخت سیه ظل هما شعله بر سر افستش ای بود پروانه را

فروغ شعله اوراق در پرست کم پیدا بود این معنی پنهان ز شمع صبحم پیدا
 ز خط لب نمیکرد دمان آن صنم پیدا که پنهان است مضمون گر پیدا شد رقم پیدا
 شود از خط نیست لب دمان آن صنم پیدا بان معنی پنهان که گردد از رقم پیدا
 بدو را آن دهن گردید خط بے قلم پیدا نشد هرگز چنین خط خوش از کتم عدم پیدا

له این شرفظ در (ب ح) یافته میشود له این شرفظ در (ب ا) دیده میشود له خط بے رقم (ا) (و ج)

خوش آن سالک که گیر و پیش راه به نشانی را
 رود بر آب تابود از نقش قدم پیدا
 قلم باشد بجای شمع بزم اهل معنی را
 بود این معنی از تاریکی پای قلم پیدا
 نبی باشد مخالف قول و فعل را تاں بهم
 که گفتار قلم باشد ز رفتار قلم پیدا
 بدست از زلف او تا سر خط دلو انگی دارم
 چه کلکم شکل زنجیر است از نقش قدم پیدا
 غنی تا چند پرسی دنگاه اهل دنیا را

که باشد و معنی آن از حصار جام جم پیدا
 به چه بدین جا بی ماکه ز استاد
 از بهمت علی لنگر فتم سبق را
 بجز وصف سر زلف تو در نسخه مانیت
 مسطر مگر از نشانه کشیدیم ورق را
 دامن بمیان بنده از پی قلم
 ای شوخ مگر دل دگر از ناز ورق را
 اشک از غم افزونی روزی نشیم
 این بل مبادا ببرد سد رمق را

ساقی بجام ریز می پرنگال را
 ماه تمام ساز بیک شب هلال را
 ناز زق خود رسد بدانت چو آسایا
 دایم خموش دار ز بان حوال را
 بنود گل تواضع دشمن بجز گزند
 پایوس تیشه افکند از پاهال را
 چشم فلک گم می پرد از شوق ارباب
 بر دیده می نهند پر کاه هال را

زن ساخته پابند دین مرصه جان را ساکن کند آینه بش خاک آب رول را
 آن شوخ چو در مکتب بیداد در آید مدو الفی می شمرد تیر و کمان را
 شد روشنم از شمع که در بنم حرفیان خاموش شدن مرگ بود اهل زبان را
 جز آبله پای من امروز دین و دشت بنود جرّسه قافله ریگ روان را
 مفلس نبرد بهر ز پهلوی تو نگر که تیر بر خویش دهد زایغ کمان را

هر که پابند وطن شد میکشد آزار را پای گل اندر چمن دائم پرست از خار را
 هیچگاه از سینه صد چاک بیا دانه نکند گر لجه بستم رشته بر انگشت سوزن بار را
 تا بروی گل نیفتد چشم بیرون ماندگان بست بیل ایشان در رخت دیوار را
 از حساب حاصل کشت جنون غافل نیم کردم از انگشت بای خود شمار خار را
 بر تو اضحی های دشمن نیکه کردن ابلیس است بایوس سبیل از پا افکند دیوار را

ز آل میگون غنی را باد ده سر بهر

کز سرش بیرون رود باد همه پندار را

۱۰ جرّسه بنود (دمک) ۱۱ پای گلین در چمن (دا) و (لا) و (دج) ۱۲ این شعر فقط در (لا) یافته میشود. ۱۳ دشت (لا) - ۱۴ دیوار را بر طبق (لا) میباشد اما بعضی از نسخهای دیوان غنی دیوار را هم دیده میشود و آنجا غزل هم طرح شال این شریعت - ۱۵ در (دمک) و (دج) این مقطع درج نیست +

در عمر لب بود دمِ سردیِ غذای ما
 سوزد زانِ گرمِ چو صبحِ شستهای^{له} ما
 در فقر بیچسب بنو و آشنای ما
 نشست غیر گرد کسے در سرائی ما
 از روزگار روزی ما جز شکست نیست
 سنگِ فلاخن است مگر آبیای ما
 زان پیشتر که دانه زخم من جدا کند
 سوراخِ مور شد دهنِ آبیای ما
 کامیده است بسکه تن باز قید عشق
 طوقِ گلوئی ما شده زنجیریای ما
 مشکل بود گرفتنِ چیزِ زنگِ چشم
 نگرفته است بخیه ز سوزنِ قباپی ما
 تا کرده ایم در ره شوق قدم ز سر
 آتش بود ز داغِ جنون زیریای ما
 در علم فقر هر که شد استاد چون غنی
 برداشت نسخه از ورقِ بوریای ما

بچشم آب و رنگ نیست خوانِ پادشاهان را
 که دارد کاسه درویشِ نعمتهای الوان را
 نگاه تیز تر می بینم بوی او غزالان را
 نگه دارد خدا از چشم بد آن تیغِ مرگانه را
 کس از پرورده خود در جہاں طرفی نمی بندد
 بنارِ نال کس دوزد قلم چاک گر بیابان را
 مگر آن شاهِ خوبال که در مصر حسنِ راغارت
 که باشد بر چین داغِ غلامی ماهِ کفان را
 نباشد بے سر زلفت سرِ لوئیدنِ شکم
 که بوی نافه باشد می بینی بید ماغان را

له در اول درین طرح دو غزل جدا گانه میباشد که اینجا بصورت یک غزل ترتیب یافته - در اول
 شعر ذیل یافته میشود
 مشکل بود گرفتنِ چیزِ زنگِ چشم
 نگرفته است بخیه ز سوزنِ قباپی ما -

ز بیغلی چو طفل اشک نیک از بینیدم سر پستان قصور میکنم گوی گریبان را
 تو کل پیشه را روزی بدست خویش میباش مکه انگشت خود کوک چو بنود شیرستان را
 بجز آزار از همسایه بد کس نمی بیند

غنی انداگی از لب گردین نیست ندانرا

بر پیش زبیر بار خود در آوراده لوحا را به پیش سیم وز حبت راکه بردارند داما را
 ز دست انداز دشمن نیست غم خلوت گریبان را که سیم آستین بنود چو پراغ زبر داما را
 به بیداری خیال زلف خواب میکند شب را ز لب پیوسته بیند چشم من خواب پریشان را
 بچو دوری ز همچنان نشاطی که طمع داری چو می بینی جدا از یکدیگر لبهای خندان را
 برای زخم ما از مشک تا سازد سینه تابش بر آهو آراید چشمت اول تیغ موکل را
 مگر ز پر تو خورشید حنت در جهان آتش که بیج آبی چاهست منزل ماه کفان را

غنی تانقش خط گشت از نگین لعل او پیدا

وهری شد خاتم انگشت حیرت داده لوحا را

حاجت از حد چو رود دست دهد استغنا قدم حلقه چو شد کار ندارد بعصا
 گره بند قبایت نشد از دستم و بند انگشت شد آخر گره بند قبا
 خون بکوش آمده از ذوق شهادت ما به که آبه بزند تیغ تو بر آتش ما

۱۵ این شعر در (ب) در عنوان 'چو' نقل شده است - ۱۶ شب را (بج) +

مسکن از جای بجنبد پے تعظیم کسے
 شمع آساگ گردن بودش رشتہ پا
 نفس من شده از سونگی خاکستر
 میتواں از دم من آئینہ را دا دجلا
 چون مہ نو کہ نگردد ز شفق ہرگز بخ
 ناخن ہمت من دست بگیرد ز خنا
 چارہ کار بدست من و من بیچارہ
 بند انگشت نباخن نتواں گردن وا
 بکہ بے یادہ گلزنک ولی پُر دارد
 کدوی سبز نماید بنظر شیشہ ما
 گرد خود گرد غنی چند کنی طوف حرم

رہبر نیست دریں راہ بہ از قبلہ نما

گرم رو مانند شمع بکہ در راہ وفا
 دور بود گرد بسوزد در کف دستم عصا
 خانہ مازید بار منت نفّاش نیست
 نیست نقشے پیش ما خوشتر ز نقش پوریا
 بکہ شد زنجیر یاچم رشتہ حب الوطن
 در سفر دایم چو سوزن چشم دارم در وفا
 گم شد در گوش من آواز سنگ کو دکان
 میروم از خانہ زنجیر بیرون چون صدا
 خانہ خالی کن ز سباب تعلق چون حباب
 تا نماید راہ در کاشانہ ات یل بلا
 پی مادر راہ عشق از بکہ می آید رنگ
 میبرد در گوش من از کاسہ زانو صدا
 از خود آرائی غنی در بند نیستستم
 می پر دجول رنگ لہ و از دست من رنگ خنا

۱۔ مکن (مک)، ۲۔ "بکہ از سونگی شد غنی خاکستر" (مک)، ۳۔ داد بایئہ صلا (د)، ۴۔ ہمدان اشعار در
 (ب)، ۵۔ بزدیک قطعہ ہنر مشتمل بر اوازہ اشعار است۔ اشعار منتر کہ در آخر این نسخہ تہ صغین قطعات و جع شدہ اند

رفت مانند شیشه ساعت
عمر من در نفس شمار بها
روزی با نیست غیر از خاک
خاک بر فرق مالدار بها
هست چو نغمه نگیں بخت
نگ دارم ز نامدار بها
بے تکلف نفس شمرده زدن
نیست کم از نفس شمار بها
گر دد آئینه روشن بخت
گر زنی دم ز خاکسار بها

تاک شد زنجیر پاتم تا کشیدم باده را
عاقبت از دست دادم دهن سجاده را
سایم میگویی بگوش نقش پا در هرقدم
پیش کس دست نگیرد بر زمین افتاده را
یار با آئینه میگویی ز روی التفات
ساده رویان دست میدارند روی ده را
هر که بود از می پرتان شد مرد من غنی
تا بر آب افکندم از دامن نرسد سجاده را

هلال نیست که ناخن زده است بر دل چرخ
نوشته مصرع ابروی او بآب طلا
خلل ندیش از ضبط گریه نوز نگاه
ز آستین کله دارد چرخ را رخ دیده ما
عبادت بجهان به ز خاکساری نیست
به از وضوی عز زان بود نیمم ما

س. ۱۱۱ ش. ۱ این غزل نیست آثار (مرتب) و (مک)، این غزل وجود دارد - س. ۱۱۱ مالدار بها (مک) +
س. ۱۱۱ گشت آئینه روشن از نقش + زوغنی دم ز خاکسار بها (پنج) و (۱) س. ۱۱۱ این شعر از محمد بن دالک کشمیری در یک
بایض کوشی در یافته - س. ۱۱۱ آب و تاب (۱۱۱) س. ۱۱۱ کس (۱۱۱) +

بہجت تیرہ گزیم ز سر د مہری چرخ مباد سائین کس بموسم سرا

معذورم از خانہ بنیاد خیر مرا آمد چو شک پین بطفی سفر مرا
کس وقت نزع برسم از بیکسی نبود شرمندہ ام ز عمر کہ آمد بسر مرا
ازدہ ام ز دیدن مردم عجب مدار گرا و فتاد مردم چشم از نظر مرا

توسن نور ساند فلک شتاب مرا مبرید نہیں پای چون رکاب مرا
بہ بحر پُر خطر عشق چوں کشایم چشم کہ چوں حجاب نگاہے کند خراب مرا
چون بہ بحر تخر کس آشنا نبود یکی است پیرن و پوست چوں حجاب مرا

کرد سربانائے آن ماہ قاصد را اے کیو تہ پُکن از اشک حسرت چاہ را
عشق بربیک فریش بنشانند گداو شاہ یل یکسان میکند بپست و بلند راہ را
کاشہ خود پہ مکن ز بہار از خوال کس داغ از احسان خورشید پست بر دل ماہ را

صفای حُسن بُنیاں مے تراود از دل ما باب آئینہ گوئی سرشتہ شد گل ما

لے آؤفہ دلا، مے اگر دلا، مے کاشہ خود پکن از خوان احسان کسے دلا، مے در دلا،

چنان بیاد سِر زلف او گر قنایم
که غیر خانه زنجیر نیست منزل ما
شدیم خاک زبس در خیال عارض او
سزاگر گُلِ خود شید روید از گل ما

گل آینه من منعم مدای جز داغ محرومی
هو از گفتگوی سر دنا صبح چون خنک گود
غنی از دولت دنیا نگر دعیب کس ز ایل
فساز دایک دیاسنر هرگز خار مایی را
نمان از آتش می سوختن این رنگ مایی را
که زرتواند از روی محک بردن سیاهی را

سجّات از قید و محنت نیست ارباب تلّوٰن را
بلے بخار هرگز کس نه بیند بای گلشن را

نیفتد کار سازاں را بکس در کار نه و حاجت
بخاریدن نباشد احتیاج به پشت نهان را

اضطراب طرفه در راه فنا داریم ما
 روزی ما میشود آخر نصیب دیگران
 چوں بیند از شوق آتش زنیو یاد داریم ما
 طالع برگشته همچون آسیا داریم ما

ہشیار دیں نشہ دے نیت دل ما
گو یکہ می ولای میست آب بیکہ

نقصان ما بود گل حسن کمال ما از برگ خود چو شمع بسوزد نهال ما
مارا از آفتاب قیامت غنی چه باک دوزخ ترست از عرق انفال ما

خبر می آورد گاه ز کوی دست مجنوں را سگ لیلی ازین ره خوشتر از آهوت مجنوں را
مگر ز دهنده دندان نما بروی سگ لیلی که از نادیده بگذر استخوان در پوست مجنوں را

غیر زلفت که پریشان شده در ماتم ما نیست آشفته دله خال نشین در غم ما
نفس ماسده از سوختگی خاکستر سزد آئینه اگر صاف شود از دم ما

میکند ویران تنوّل خانه معمور را انگبین سیلاب باشد خانه زینور را
چون بر آرد دست چرخ از آستین انقلاب کاشه در یوزه سازد چینی فغفور را

کوی جانان که هست جان اینجا کعبه شد سنگ آستان اینجا
گلشن حسن را نما شاکن که دمد سیره در خزان اینجا

بے نیازی از سخن هرگز نباشد گوش را
 جیشی حاصل از نعمت نشد سرش را
 در سر شوریده ام بکوهی ساز نیست
 خوشتر از آواز دف دایم صدای گوش را

سرد هرگز بهستان لشکر بیدار
 دستبرد زلفش از پا افکند شمشاد را
 عاشقان روز شهادت خسرو وقت بخوانند
 نقشه بر سر افسر شاه بود فرما را

تا رقم زد خامه وصف قامت محبوب را
 جز الف حرفی نداشت در کاغذ مکتوب ما
 تا بچشم آن تغافل پیشه میشد آشنا
 کاش بودی برگ نرگس کاغذ مکتوب ما

دل بهاں به که آرام رساند خود را
 چون نفس نادم آخه نه دو اند خود را
 محرم است آئینه و آب ز عکس محروم
 آب خواهد که بائینه رساند خود را

نباشد طاعتی مقبول غیر از فکر او مارا
 نباید جز به محراب گم یابی سر را
 چون بند راه بیرون رفتن جان بهر لسیزی
 بوقت نزع گیر و نزع ساز را

جهان تمام مسخر ز جام شد جم را بگیر جام که خواهی گرفت عالم را
 غنی چو اصله شکر از کس بگیرد همین بس هست که شکرش گرفت عالم را

نیست حاجت که بگیرند بزرگ آئینه را میدهند رنگ رخ زنده سپر آئینه را
 ساخت در پرده زنگار نهال چهره خویش کرد تر شرم رخ یار بگر آئینه را

آزاده ام ز قید زین چون نهال شمع بر دم فرو بآب گل خویش ریشه را
 از لطف می چو سرو گل آید در نظر هر چند ریزه ریزه کنی جام و شیشه را

ز شونجی لب که در پرواز بهیم نفس گل را چو بلبل منتیوان کردن ز گلبن در نفس گل را
 ز شوق گوشه دستار او از بسکه بتیاست پرومانند شبنم به نفس چشمی هوس گل را

فارغ بود از آفت گیتی دل روشن از برق زیان نرسد خرمین مهر را
 چشم تو بمن خواست که پیغام فرستد گر داند زده چوین مژده از ناز نگه را

تا تو رفتی کس دگر نشست در پهلوی ما
رنگ بایں اختلاط آخر پدید از روی ما
ضعف طالع ہیں کہ آخر ہیچو عکس آئینہ
چہرہ شد با اگر رنگے پدید از روی ما

گر کند تار نفس را رشتہ موزن مسج
کے تواند دخت زخم سینه چکان ترا
بیدار را گاہ گاہے مینوان دامن دلے
ایکے ایند صورت دل داد بیکان ترا

ز پهلوی ضعیفانت گرمی پشت سرکش را
پیر کا ہے کہ بینی بال پرواز است آتش را
چہ باک از زانہان خشک میخواران سرکش را
کہ موج بوریا از پانی اندازد آتش را

خوش کن سالک کہیر و پیش راہ دستانی را
قلم باشد بجای شمع بزم اہل معانی را
بنا محمد نشای گفت اسرار نہانی را
بہ چیم چون قلم در نامہ پیغام زبانی را
چرا خمش تہ میگردند پیران جہان دیدہ
مگر در خاک میجویند ایام جوانی را

خاک پایِ ہمہ کس ہر کہ شد از روی نیاز
میکند ہیچوزیں زیر و زیر گردوں را

۱۔ این شعر در (۱) دیدہ میشود + ۲۔ این شعر فقط در (ب ح) وجود دارد +
۳۔ این دوبیتی در (۱)، (۲) و (ب ح) یافتہ میشود + ۴۔ میکند زیر و زیر ہیچوزیں گردوں را (۱)، (۲) +

معنی از طبع غنی سرتواند بچید بسته دادند با و روز ازل مضمون را
 بمنزل میراند کشتی می کاروانی را برد یکدم ازین عالم با آن عالم جهان را
 از ناز چو پوشی رخ آئینه نمارا چون قبله نما چشم پر آئینه مارا
 سخن مهر خویشی بر میدارد زبانش را که لب چو غنچه پنهانست از تنگی دهانش را
 ندید گس کمر تنگ دستان ترا مَصوّر از بر خود میکشد میان ترا
 خوشم که ضعف چنان کرد در شناس مرا که چشم آئینه مزگاں کند قیاس مرا
 نتوان برد ز دشمن بتواضع جان را قامت خم نه ماند ز اجل پیران را
 مشاطه خوں مکن جگر مشک ناب را نشتر مزین بشانه رگ آفتاب را

۱۰ این شعر و دو شعر مابعد در «گلستان مرثی» یعنی منسوب به ۲۰ در «شمع اکبر» این شعر نوحی معنایی منسوب است +

ز دردِ عشق ضعیف هست بسکه بیکریا شود به تیغ گریبان جدا ز تن سر را

تشنه پا بوس خود زین بیش مگذارد آب را اے نهالِ باغِ حُسن از خاک بردارد آب را^۱

گر یه عجز ملائیم کفِ داس سرکش را آب بر خاک زند سرکشی آتش را

بسکه برداز هوش فکر آس^۲ بخیر نیکو مژ هست در پیش نظر آئینه زانوم را

خلل پذیرش از ضبط گریه نور گناه ز آستین کله دارد چراغ دید^۳ه ما

محنت کجا ز سردی دئی میکشیم ما از سنگ شیشه آتش می میکشیم ما

بیا ببلبل بپس در پرده گل آفتاب^۴ را چرا از سادگی محبوب خود کردی نقاب^۵ را

۱- و ۳ فقط در ۱، دید^۳ میشود + ۴ زیبا در ۱، سهو کتاب باشد +

ہمچو سوزن دایم از پوشش گریز اینم ما جامہ بہر خسلق می دوزیم و غریبانیم

تا بخت و از گول شد معمار خانہ ما اگر دید چون کمان کج دیوار خانہ ما

آتش می تیز سازد شعلہ آوارا بر کدوی بادہ باید بست تار سازا

خرق عادت کے بکار آید دل افروزا گر رود بر آب نتوان محقق شد مرده لا

تا نور فتی مے ندارد کار ہمینای ما از کدوی سبز فرغے نسبت تلمینای ما

فی پرداز اشتیاق یل معمار ما برگ کاہے نہ بحشم رنخہ دیوار ما

بر سر غیرت چو دید آں ابروی خونیز را کردہ ماہ نو سپر از ہم تیغ تیز را

در دلار واکرم رقیم شد و چار سجا ز دم نقبہ برول آمد بجای گنج مار سجا

نخا رصاف از دُردِ بهر زلو کرد می را آورد شوقِ لعلت بیرون ز پده می را

زور می تابست که افتاده میباشیم ما به چو خم در گور هم ستاده میباشیم ما

تا بوی مرده دوشِ هشیار کرد ما را پایِ بخواب رفته بیدار کرد ما را

هست زهر آبِ فاصه‌های ما زهره شیران بود میناری ما

ز بخی گرز طبعم در شکایتِ جسته معنیها اگر خواهی به پیشیت میفرستم بسته معنیها

کند گر خود نما چون مه سوادِ صفا را روشن بگردول میسراند دعوی صاحب کمالی را

خویش را با که بسنجیم غنی در بسکی نیست جز نایبِ خود سنگ ترازو ما را

بسکہ بے زلف بتل منت نہ دم بر زانو صورت نہ گرفت آیینہ زانوی ما^{لہ}

حسن و جمال ذاتی است دشمن نہ بر عارضی سرمه غبار خاطر است چشم بیاو یار را

صیاد با چو ترکش پُر تیر حے کند در یک نفس ایکن صد پرندہ را

شمع فانوس نیم لیک ز بے سامانی غیر دیوار سراپیر ہے نیست مرا

ازدہ وار سنگی پوینتہ بچوں گرد باد خانہ بردوشم ہی باشد غم منزل مرا

پیرو ماشو کہ بچوں خامہ دردا و سخن پے بمعنی میتواں بردن ز نقش باپی ما

صاحب سخن بجنبد از بہر قوت از جا دایم سجانہ خود روزی رسد زبان را

نیست باور دجہاں نگین نرا ز بار وجود پشت خم شد زندگی انا بسر بردیم ما

شب فراق تو ای آفتابِ عالماب بالابست چو گردول ز دایغِ سینه ما

پیریم نیست چیره ز باف باب ما دتا رفقه باف ز موبسته ایم ما

چون شکست دست و پیم مرهم دیگر شدت عاقبت بر خویش بستم تخمه تابوت را

ز نهاد چشم خود را بر دست کس ندوزی خایست کیسه از ز پوینته آستین را

بیل سرمه ماند پیش آن مشمع کافوری بیا پر وانه روشن سازا مشب چشم غیرت را

گگذار از قلم و نقیبه پابروں سرمشق خویش ساز خطِ مرفوش را

وضع ملایم بود تنیغ زبان را سپر نیره سازد نفس آینه آب را

تادم از مهره زلف تو زد مے گزد مار زبان خود را

شده چشم سگان کوی جانان چار از شوقش بچشم کم نه بیند ای رقیبان استخوانم را

بایه نجات تل را القای دیگرست میکند خورشید و ماه آینه داری سایه را

اشعار ابد از من ناستد محیط عالم انداختند در آب یاران سفینه ما را

بشر عشق است اینچو در می ماند جگر گر همه شیرست افتادست بر قایلین ما

شود آسوده گر کجا کند دیوانه پا قائم نباشد هیچ بیم از رنگ طفلان بید بخویرا

پروانه گو میرز غیرت که شمع را روشن کند خلق به خاک مزار ما

امشب نفسی زمزمه داشت مفتی نه کرد بلند این سخن زیر لبی را

تا توانی عاشق معشوق هر جانی مشو میکند خود شید سرگردان گل خورشید را
 گرد دین شد دوستان را سدا و القای^{له} سینه صافی کو که ز روی دلایم ما
 در موسم بهار چون نرگس ز شوق می سرکشید ز گردن مینا پیاله ما
 صورت معشوق هر جا جلوه گر شد کو که ن داند به از آئینه نگ خاره را
 کلبه ام را طاقبت بار که ان بام نیست چون کماں بیرون کنم از خانه چوب تیرا
 مرگ گوارا شود موی چو گرد سفید لذت دیگر بود خواب دم صبح را
 تا وصف قد نازک او پیش گرفته حرفه بزبان غیر الف نیست قلم را
 ملازم میشود در گفتگو هر کس که کامل شد که دایم پنبه باشد در دهن مینای پرمی^{عم} را

جامم بغیر کائنه زانوی فکر نیست باشد خیال تازه شراب کهن مرا

تو نو نهالی و ما پچوریشه ایم ترا بود ترقی حُسن گل تنزل ما

مبادۀ عتاب ز لعل تو می کشیم باشد می دو آتش آبِ حمار را

بچشم کم میس در نامه اعمال مازاید که می بار داری ابریه بارانِ چمنها

بسکه جاننش بلب اندیخ خمار می رسد در گلوئی شیشه آب ارپنه میریزیم ما

گر نباشد گل بفرق ما چو گلبن گومباش دشت چون گردد باد از خار خوش بشیم ما

آدمی در عهد پیری بخزد گرد غنی می شمارم طفل خود را رنجیت تا دندل مرا

ردیف بای موحدہ

از شرم تو بہ در عرقم، کو شراب ناب باید متاع ترشہ را داد آفتاب
 رفتم سوی یار و ندیدیم روی یار مانند سروے کہ رود رو با آفتاب
 تا کہ فریب ہستی موہوم می خوری نواں چو عکس آئینہ شد غرق در سرب
 در حشر شد بر اہل گنہ ابرو بچمتے انداختم چو دامن تر را با آفتاب
 خوش دولتیست فقر کہ در کج ازوا فرش فی سہت سایہ و فراش آفتاب
 ہر کس کہ دادن بہ بلا یمن از بلا ویران کجا نہ موج شود خانہ حباب
 گر خامہ را ز کام بر آید زباں چہ دو شد بحر شر خشک نرا ز جدول کتاب

تا برینا دست ز کام زبان غنی

یہ خنج سیاہ کاسہ چو کلکم نہاد آب

ایم خاکی ز خامی دارد از می اجتناب کوزہ گل بچتہ چوں گرد و نیتر سد آب
 ہر کہ در را و بکیاری قدم زد چوں جہا پیچ جا پایش نغز دگر و دہر و بی آب
 دختر ز از گناہ گرم افتد ہر حجاب کاش اُفتادے گل ابرے بحشیم آفتاب
 ہست میل خوردن پان گلہ خان ہند را عاشقان گوی کہ از خون خودش دادند آب
 نور حسن از دیدہ تر دامنال پناہاں بود بے نصیب از پرتو شمع ہست فانوس حباب

جای بینائی سواد دیده باشد نه مبایض
 یچکس در روز هفت شب بنی بنید خواب
 از خجالت برینیدارد چون گرس سر ز پیش
 هر که فصل بهار را نیت در غر شراب
 زاهد بے آبرو که بر لب دریا رود
 میشود موج حصیر از زهر خشکش موج آب
 دهن مطرب مده از دست در فصل بهار
 رشته گلده عیشت بود تار رباب
 سرد مہری بسکه در دلہای مردم جا گرفت
 روی گرم از کس نمی بینیم غیر از آفتاب

تا غنی کرد اجتناب از می پرتاں بخودی
 گشت عقل با رنگ نشہ پہن در شراب

هر گز گل نشہ باشد پیاپی عندلیب
 دم دیگر نیت حاجت از برای عندلیب
 هست ہر شاخ گلے عشرت سرائی عندلیب
 بر زمین کے میرد د باغ پایی عندلیب
 تا وزیدان گلشن کوی تو بادے در چمن
 باشد از گل آئشہ در ز پیاپی عندلیب
 گل بزنگ شعلہ خس از چمن پرواز کرد
 گرم نادر آشیان کردید جای عندلیب
 پیچ تنخہ نیست ضائع در زمین پاک عشق
 خندہ مای گل دمید از گریہ مای عندلیب
 از صدای خندہ گل میشود روشن کہ نیت
 نو عروسان چمن شتاق دیوار نواند
 شد زمین شمع از گلہای مضمون گلشنی
 ہست ہر بیتہ در عشرت سرائی عندلیب

لے بے دل ۱۰ ۱۱ بود دل ۱۲ ۱۳ هست دل ۱۴ و دل ۱۵ ۱۶ حق دل ۱۷ و دل ۱۸ و دل ۱۹

بالِ بلبل را بجایِ دستِ گل بسته ایم

بر دانه خود بکه ماراناله های عنذلیب

ز بیم هجر و امید وصال آن محبوب گداخت خامه و بالید در کفم کتوب

خضابِ موی زینا مگر کند یوسف که برده هست سیاهی ز دیده یعقوب

هوایِ گوشه نشینی اگر پذیرد رنگ تو آن بسا کمان ساخت خانه یک خوب

تغنی چو صحن چمن در بهار زنگین است

شبیهِ خامه نقاش میشود جاروب

گر برود لحظه ز گسستنِ سحاب عشوهِ برویش زنداز عرقِ فتنه آب

گر نه صفایِ تنبت هوش را باید چرا پیش دم صبح هست آینه آفتاب

نگمشت خواب هم آغوشِ دیده پر آب فغانه لبت که می آید از طوبی خواب

پیرشد بدو لعل تو پیمانه شراب ترسم دگر خواب شود خانه شراب

چنان ز دیده از شمشیر آب که شد ناسور ز خیم چشم پر آب

له بریزد (ب، د، م)، له "خانه را از خوب" (د، م)، خانه از خوب (د، م) +
له خانه (د، م)، له گرداب (د، م) +

دست را کوه مکن از آستین پای چو شد لنگ در دامن طلب^۱

نفس من شده از سوختگی خاکستر گر شود آئینه روشن ز دم من چه عجب

مرثه^۲ ام بر مرثه از جوش حلاوت چسبید دیدم از بسکه بخواب آن لب شیرین امشب

ر دلیف تایی فوقانی

در مکن از سواد هندش ادبی کم هست گر در اینجا بسزیه باشد ز تخم آدم هست
 مرده دل چون کور از آسید و ران بهیم هست خنده باشد بر لبش گر عالمی را ماتم هست
 گلشن کشتیرا امسال شادابی کم هست گر گل ابری نمایان هست آنهم بی غم هست
 از بد نهاد بهوای گرم میجوشد عرق گر بود خاک رطوبت خیز خاک آدم هست
 در جهان نتوان نشان از حیرت پی یافتن چشمه نور شبیدم محتاج آب شدنم هست
 گرد غم شوید ز دلها گریه در بریم سماع هست در فریاد چشمی که خالی از غم هست

^۱ این شعر در ۱۱۶، سهواً در متن مفردات تایی فوقانی مذکور است +

^۲ این شعر فقط در «گلستان امیرت» دیده میشود. ۳ امروز (۱۱)، ۴ یاده (۱ ج)،

نددی رخساره عَشاقِ بر اهلِ تمیز
میکند روشن که عشقِ اکسیرِ خاکِ دَمِ

موی سرگردم بعبید اما خیالتِ درِ سِت	انگله پنهان نه این توده خاکستر است
خوابِ راحت و تحقیقِ مایه درِ سِت	هر که دارد این مرضِ پوخته صابِ سِت
از خندِ گشتِ مرغِ دلِ پهلوتر کش میزند	کر درونِ بکدر نه پیکانِ دزدِ برونِ شتِ سِت
گر محبتِ در میان باشد تکلفِ گو مباحش	شیر مادر در حلاوتِ بے نیاز از شکر است
کس ز فیضِ بحرِ جودش در جهان محرمِ شیت	پُشتِ مایِ پُر دمِ شستِ صدفِ پُر گوهر است
بنده شد هر چند در یک بحرِ معنی مایِ نر	معنی مردم حبابِ معنی من گوهر است
نا توان گشتیم چندان که برای قتلِ ما	تنجِ ابروی تبار را موجایِ جوهر است
داغ می باشد علاجِ زخمِ چو ناسور شد	دردِ بیدمان را اچاره دردِ دیگر است
باتو شیرین را نسجد کوهن دردِ لبری	دردِ نراز و گرچه یکسوی گ یکسو گوهر است
میکند خورشید و ماه آینه داری سایه را	بایه بختانِ ننان را القاتِ دیگر است

پیرش زاهد و از راز درونِ بخیر است	قدیم گشته او حلقهٔ بیرونِ در است
حیرتم گشت که چو از سرِ عشاق گذشت	آبِ شمشیر که خولِ زمین را تا کمر است

آب چوں نیست گذارد بدین تشنه یقیق دیده بے نم چو شود مائل لحت جگرست
 زهر حشمت تو چنان کرد سرت درمن که مرا دست بتن سبز چو بادام ترست
 تیغ خونریز که گردید علم از کمرت جانفشان ترا سوی عدم راه برست
 گردی من به بلا به که نه دزدی پیلو کشتی از بیل بود این و پل در خطرست
 ناوک باز تو در دیده من جا دارد تیر مرغان ترا مردم چشم سپرست

هر که پس از غنی و شیرینست زنگم

دلم از سنگدلیهای بتاں بخیبرست

تاسمه دال سیاهی چشم تو دیده است در چشم خویش میل ز خلت کشیده است
 سوز دلم چو شمع بجائے ریده است که تخم اشک من گل آتش و مید است
 گردید راز عشق ز پوشیدن آشکار دندان نجبه پرده مارا دیده است
 فوس قرح اگر چه بگردون کشیده سر ابروی یار دیده و رنگش پریده است
 یکموی فرق نیست میان دوا و روت خوش مصرع مصرع دیگر رسیده است
 زین پیشتر خلاوت شهید اینقدر نمود ز بنور دلم آن لب شیرین گزیده است
 افتاد گل ز دیده یعقوب چو آشک دلم نسیم مصرع کفایت و دیده است
 در حیرتم که آئینه امروز صبحدم روی که دیده است که روی تو دیده است

له درمستان سرت این شعر به غنی منسوب است

آسوده ام از گرمیِ خود شبِ قیامت که لطفِ تو هر نامہ سیاهِ نشین است
 بر رویِ زمینِ میچسب آسوده بنامند گنجے بود آرام که در زیرِ زمین است
 مازندگی از دیدنِ رخسارِ تو داریم آخرِ نگہ ما نفس باز پسین است
 پروانہ بہ تعظیمِ بر دنامِ من امشب موئے مگر از شمع مرا ز بزرگین است
 روشن بقناعت شود آئینہ باطن ماهی کہ دل افروز بود آن جوین است
 ساغر زدنِ سبز خطاں بے مرہ نیست صہبا کشتی ریش سفیدان نمکین است
 از مرگِ خودم شاد کہ آن زلفِ سیہ پوش گر دید پریشان زعم و خاک نشین است
 گرم و درش بہت یکے کے روم ازجا ویرانہ من ہم چہ کم از خانہ زین است
 شمع و پر پروانہ در آید بہ نظر ما تپایِ نگارین تو درد من زین است

کارے بفلک مردم آزادہ ندارند

ہر سرو کہ دیدیم غنی خاک نشین است

بالمشِ خوبانِ دگر از پرست شوخِ مرافتہ بزیر پرست
 پیش لبِ یار کہ جاں پرور است ہر کہ زندم ز مسیحا خست
 مردہ ام از حسرتِ آغوشِ او جانِ من امروز کرا در بست
 بلبِ خمیازہ کشم درخمار بخیہ اگر بہت خطِ ساعز است
 بے رخت از بسکہ ندار دصفا آئینہ گویا کفِ روشنگر است

آب بود معنی روشن غنی
خوب اگر بسته شود گوهر است

چشم است در فیض است که بوی نواز است	تا کار تو بیداری شهای در است
در مذهب رندان خرابات نماز است	آفتادن و برخاستن باده پرستان
دستم بنظر پنجه طنبور نواز است	می نیست چو در کاسه مرا عشته در اعضا
از دام همه روی زمین سینه باز است	چون بال کشایم که دیس صید گره دهر
در بزم طرب پاره نشد پرده ساز است	گر پرده ناموس کس از ناخن مطرب

یعنی دلم زد دست توای از این سیر است	چون آستین همیشه جبینم ز چین سیر است
ماغم بکا غدے که ز نقش نگین سیر است	گل کرد استخوان بن از چشم داغها
ز بنور خانه ایست که از انگبین سیر است	هر چشم ز زلفه شیرین لبالب است
مار از دست خالی خود آستین سیر است	هر کس بدگر که دست برد سخته
روی زمین ز مردم بالانشین سیر است	جز زیر خاک جای من خاک را نیست

تا نگردد کرم کس نتوایم برخاست	بسکه مانند کماں بیکرم از پیری کاست
-------------------------------	------------------------------------

شد شکر آب ز شرم سخن شیرینم گر میان من و طوطی شکر آبست سبب
تا سوزد نکند میل بلندی چو سپند چشم بدد و رازیں اختر طالع که مرست
گر کسے می سخن غم مخور ای باده فروش ای مناعیست که چون کهنه شودش بهشت
عمر مانند که بگرداب جنوں افتادیم کف این نجر بر آشوب ز مخر سرست

حرف دینا گوش کردن کار اہل ہوش نیست مخر سرفراز نہ را چوں پینہ ہای گوش نیست
اے خوش حال بکسارے کہ در راہ طلب خانہ بردوشست و بار خاندان بردوش نیست
گر بہر مے چراغے نیست روشن گوہش قلقل میناکہ باشد شمع ما خاموش نیست
استماع دو تال آورد مار در سخن پردہ ہائی ساز ما جز پردہ ہائی گوش نیست

چنان بنیاب شد از اشتیاق گشتم تیرت کہ بیرون چوں گاہ تیر رفت از چشم نگیرت
پر دچوں شوق مامند سو فار از پی تیرت عجب بنود گیر از خود پردہ برد چشم نگیرت
تیرس اندازیم اے سنگدل بیدار کمتر کن کند چوں تیغ کوہ از نالہم فریاد شمشیرت
چو عکس آئینہ از جادہ آید صورت شیریں بنگے گر کشد در بیتوں نقاش تصویرت

شعر اگر اعجاز باشد بے بلند و پست نیست
 بخت کج در طبع شاعر بخجلد فی کل است
 ایدل از موج سرب نرمی دشمن ترس
 تا سرش از بوی می شد گرم چو هار است
 درید برینا همه انگشته یک دست نیست
 طاقت خارست مای را و نایب نیست
 بهر مای حلقه مای دام کم از نیست
 بیچسب در دور با چون محتسب بد نیست

خاک از تیغ فرام بجگر زخمی داشت
 تهمت خانه نشینی نه پسید بخش
 بر نداریم ز اشعار کس مضمون را
 منش از تیر جفای تو نیستان گردید
 کفتم مرهم کافور بر آن زخم گذاشت
 ورنه مجنون گله از سخن زنجیر شد است
 طبع نازک نتواند سخن کس برداشت
 علم بشردلی هر که بعالم افراشت

ز چشم مست او بشکر خواب رفته است
 تا دیده ایم صبح بنا گوش یار را
 این نقش پای نیست که افتاد بر زین
 غفلت گشت محرم خلوت سرائی ما
 بخت بیا و ما ست که در خواب رفته است
 از چشم ما چو چشم گهر خواب رفته است
 پای سلوک ما ست که در خواب رفته است
 بیرون ز چشم حلقه در خواب رفته است
 کز چشم من بگرد سفر خواب رفته است
 نه تیر می شمیر (ب)

معنی صاف که در قالب الفاظ بدست
هست آینه صافی که نهان در دست
چه عجب گر چمن نرا دارد سبز
خال نیل نو که تخم گل هر چشم بدست
گر ز دم سردی این تیره دلاں آگه نیست
از چه روحا آینه قباى بدست
ناشد انگشت مناظره ات از حسن قبول
شانه برگسوی خوبان دگر دست بدست

خاک را گل بکن از گریه غنی دیرری

حلقه قامت خم قالب خشت لحدست

از نماز نیست مطلب غیر خشت و جوی دوست
میروم از اشتیاق افان خیزان جوی دوست
ماه نو نوازند از روی خجالت شد سپید
چون سیاهی میکند از گوشه ابروی دوست
تو تیرای چشم مه خیز پر تو خورشید نیست
ما بود دوست می بینم حسن روی دوست
چهره خود گر چه ماه از چشمه خورشید نیست
گر در خجالت بر رخسار هست از صفای دوست

یک نفس من شیش غنی غافل زد نگیزش

تا نگرددی خاک هرگز بر خیز از کوی دوست

قوت باز و نیاید بے صفای دل بکار
تیغ تا در زنگ باشد برگ کا به پیش نیست
آتش از سوز دلم چون دمی پدید خویش
شعله دوزخ بحشتم برگ کا به پیش نیست
زور باز و مرد را وابسته مشیت ز دست
دست خالی در حقیقت آستین پیش نیست

کم ز حیوانات باشد پیش ارباب منیر آدمی که انفعال جرم در پیش نیست

گنبد گردون ز سوز عشق او گریه است
روحی گریه ابل دنیا آفتاب محشر است
هر که چون من ز قدم در راه استغاثی
موج هر دیار شوقش ماهی بر تابه است
از خاک آنکس که ز بیخاک در سواد است
اطلس گردون بای پی همتش پاتابه است

بے نقب در منزل مقصود کس را یار نیست
نار زلف یار از چنگش مگر افتاده بود
رشتن از پنبه توجیه نامنصور یافت
نزدبان این سر جز را و ماهوار نیست
شانه در فریاد امشب کم ز موسیقار نیست
اختلاف در میان سحر و زنا نیست

عنان نفس کشیدن جهاد مردان است
مریخ آب رخ خود برای مان ز بهار
بلاست نفس عنان چون ز دست عقل گرفت
معطر است دماغ ز خور دن صهبا
نفس شمرده زدن کار اهل عرفان است
که آبر و چو شود جمع آب حیوان است
عصا چو از کف موسی فاد ثبات است
مگر سیال ام امشب سفال ریحان است

له این شعر فقط در دب ۴ وجود دارد ۵ در بعضی از نسخه های شعر من فریاد مندرج است
و له در دب ۴ مگر شعر دیگر درین طرح یافته میشود و این شعر وجود ندارد ۶

اشکِ گلگون شرابِ کفّام است
 بنجیه آستینِ خطِ جام است
 به زبیرِ تار سیده دانستم
 حلقه زلف حلقه دامن است
 بهر صیدِ سبایِ ناوک او
 جوهرِ استخوانِ من دامن است

ز گریه ام نه بهین چشم تر سفید شد است
 کز آب دیده مرا موی سرفید شد است
 برنگِ آبله پای در سفر مارا
 ز شوقِ صبحِ وطن چشم تر سفید شد است
 بچشمِ خود نتوان دید صبحِ پیری را
 نوشتم که دیده ز مو پیشتر سفید شد است

بادوست اگر دم زخم از قریب چه دور است
 کم نیستم از سایه که همسایه نوز است
 درویشِ بسا که روان شد بنزد جان
 برگِ سفر ابل قناعت پر مور است
 بامرده دلاں چند نشینی بساجد
 خنجرانه نشین باش که خم زنده بگور است

دایم براهِ شوقِ جلودیز میرود
 گلگونِ اشکِ رامزه ام تازیانه ایست
 خار از سختِ جانی فرمود ساخت و
 برنگِ خارِ صورتِ شیرین بهانه ایست
 غافل مشو ز عاقبت کار خود غنی
 دل نه بخواب مرگ که دنیا فانه ایست

دل منور کے شود در ظلمت آباد بدن
شمع را روشن میسازند تا در قالب است
زنده نتوان بود بے لعلات که مشتاق ترا
یال لب شیرین تو یا جان شیرین بر لب است
دانه دم ملائک بر زمیں افتاده است
کس نمیداند در گوش هست یا خال لب است

مے پذیرد ز خوشی دل بے نور صفا
نفس سوخته خاکستر این آئینہ است
میتوان دید ز هر زده فروغ غریب
دل اگر صاف شود روی زمین آئینہ است
عقل از نام برد پے به نشان ہمہ کس
جو هر ذاتش اگر هست نگین آئینہ است

بسکه آزرده ام از دیدن مردم عجیب
مردم دیده اگر از نظر ام افتاده است
تکیه تا چند کنی بر نفسے میحو حجاب
چشم بکشی کہ هستی گریه بر باد است
مشت خار کے کہ خلیقت بیای مخبول
شانه شد موی سرش را کہ دراز افتاده است

کلبہ ما گر چه بے وزن چو فانوس است بیک
بزم یاراں از چراغ خانہ مار و فتن است
شمع میگوید یا بل نیم با سوز و گداز
سر بریدن پیش این نگین دلاں گلچین است
نیت جز افسوس خوردن حاصل گشت جہاں
آیا گردانی مادست بر ہم بودن است

۱۰ با (مک)، سہو کاتب باشد ۱۱ چشم روشن کہ بود (دب ۹)

میںوار دسارِ عیشِ اندم کہ طالع یافت تو
 ہشت از پایِ مگسِ ضربِ نارِ عنکبوت
 میشود پیمانہ پر از کثرتِ نعمتِ غنی
 خضروقت آئکہ قانع شد بقوتِ لایموت

در ضطراب از شبِ تارم ستاراست
 ایا در میانِ سوخته کاغذ شراراست
 دلہای عاشقان برودوست آب شد
 اما بیایِ نازکِ او شیشہ پاراست

چہرہ اش از سبزہ خط گلستانِ نازہ است
 در ریاضِ حُسنِ گل رویاں خزانِ نازہ است
 گر چہ بارانِ بیت چوں آئینہ جز یک نارنجک
 ہر نفس در خانہ من مہمانِ نازہ است

در بیابانِ طلبِ رگدزے نتوان یافت
 کہ ہر گام نشانِ زمرے نتوان یافت
 گوشِ غواصِ شنید از لبِ خاموشِ حباب
 دم نگہدارِ کرین بہ گہرے نتوان یافت

مے نماید سخم سادہ ولے بے تہ نیست
 از تہِ حشمتِ آئینہ کسے آگہ نیست
 ہست را و کمر آں زلفِ سیرادِ پیش
 پیچ ہندو بجہاں نیست کہ او گم نیست

چنان آں نازنین نازک دماغ هست که اورا بوی گل دو و چراغ هست
 ز مهر نامه اش گردید روشن کز و هر کس که دور افتاد دماغ هست

هر کس شراب آں لب جان بخش خورده است آب حیات در نظرش خون مرده است
 پروانه را چشم پر و صبح دم چراغ خوش سیل ز پنجه خورشید خورده است

خدا زبان مراجع پر نرمی داد است هنر اش که که نام بر و عن افتاد است
 جنب طاق من کوه است بنیاد است نظر چشم نرم ابر که غدا باد است

عاشقان را جنبش مرزگان چشم باریک است عالمی را اضطراب نبض این بهار گشت
 تا شود قبرش زیارتگاه ارباب ریا خویش را زاهد بر نیز کند دنا رگشت

چون ز کس در جهان حتم کتابش نداشت کار فرو بسته را دل بخدا واگذاشت
 اهل دل از ترک خواب سیر فلک میکنند عیسی وقت خود است هر که شمع زنده داشت

له چوں بخدا از کس چشم کتابش نداشت کا فر دل بسته را دل بخدا واگذاشت
 (مک) دله (لله) و (بج) و (ب) (ا) را ترجیح داده شد ۴

پیوسته دلم صاف زگره خط بایست
معدور بود زاهد اگر جام نگیرد
جاروب کش خانه آئینه عیارست
کز دانه لبتیج کفش آبله دارست

عالم از سیل اشک مادر بایست
مخه ولا سی هست آب و کلم
گر عیارے بود بخاطر ماست
در تخم روح نشه صهباست

بے چراغ هست اگر نیرم خیال غم نیست
گر میسر نشد اباب نشاطم غم نیست
مصرعه ریخته شمع هست که در عالم نیست
پیش من چنین جبین از لب خندان کم نیست

بگذشت چون زخوم مرگبار بابر گشت
در چشم این سنین دنیا تمام باز نیست
هر سپید برگرد و تیر از کماں چو بگذشت
این انجم و فلک را دانند برضیه و طشت

دغم که دل صاف مکز ز جہاں رفت
قانع شود بر خویش مکن راه طلب و
چون آب دال آمد و چون بیک دال رفت
ناسد رفق هست بجای نتوان رفت

چہ غم ازین کہ بطِ بادہ سُست پر فزانت
کہ در گرفتِ رنگ پریدہ شہناز است
بجایِ بخیہ زندی کہ خندہ بر زخم
ہمیشہ سوزِ برجم را دہن باز است

لوتہ از می نہ کنم در پیری
تا بکے تشنہ غم باشد
می کشتی در شبِ مہتاب خوش است
تیغ را گر بد ہی آبِ خوش است

چشمِ سفید زد در اشکِ مرا بجا ک
ہر دم بزمِ می ز سو می رسد بگوشت
حرفیت اینکه پنبہ نگہبانِ گوشت است
دستی کہ بے پیالہ بود خشک بہتر است

بے می برنگِ غنچہ نشستم تنگدل
اے او شود کسے کہ سخن چیں بود غنی
راقی ز شاخِ شیشہ گل پنبہ چید نیست
ہر جا کہ خامہ اسیت ز بالَش بُرید نیست

کے بخلے میتواں شد باقی نہ ہا طرف
معنی آرام را ہرگز نفہمیدم کہ حبسیت
ملک گیری سہل باشد گوشہ گیری مشکل است
ہرزہ گردم چون قلم با آنکہ یام در گل است

چنان بروی زمین نقشِ حُسنِ تابیدست که زالِ حیرت به چشمِ مُبتِ هلالِ است
گمانِ مبرکه گذشتند از جهانِ محزون هنوز خانه زنجیر در تصرفِ اوست

طو طیا را ز لب که کرد اسیر دم صیاد سبزه چمن است
کرد قالبِ نهی چو دید ترا شمع اکنون بصورتِ لکن است

پیشِ صیادِ رومِ بالِ فشان از سرِ شوق گردِ باخمِ غرضش رخسارِ بالِ من است
هیچیکه لب نکند باز بدشنامِ قریب من به تنگ آمدم از یار که پُرسیدین است

از سوزِ سخنِ نالِ فلمِ رشته شمع است گر نامِ من شد پیرِ پوانه عجب نیست
گودست بشویند طبیبان ز علاجِ من چون شمعِ عرق کردنِ من دافعِ ترس نیست

قاصد چه احتیاج که طومارِ اشتیاق چون جاده خود کرد ز درازیِ بگویی ^{تلم} دوست
چون شانه گشته ام همه تنِ پاو لے چه بود راهِ گرِ بزمِ نیست ز زنجیرِ مویِ دوست

زاهد از مسجد من از میخانه رسوا گشته ام هر کس را طشت از بام دگر افتاده است
 از کنارم دختر رز کرد تا پہلو نهی کار من اکنون غنی با طفل اشک افتاده است
 پیر بافته آیند بهم طوطی و بلبل در مجلس احباب مگر گل سکر میست
 چون نامه که مردم بسفید آب نویسند در کاغذ این چشم سفیدم ز قلمی هست
 اہل دل از ترک خواب سیر فلک میکنند عیسی وقت خود هست هر کہ شبنم زنده است^۱
 در بہار از بکہ جیب یار لبر زنگیست آستان بیلان مست جام پر گلست
 از سکوک صاحب باطن کسے گاہست می رود بر آب نقش پای او در راہست

۱- تافہ (۱۱)، ۶۷ این شعر در (۱۱) وجود دارد ۳۵ باغ (۱۱) +

خزمن عمرش تلف شد هر که از کس نگرفت داد سر بر باد چون در شمع آتش در گرفت

نخل گردون گره و صورتِ اختر گره است کارم از انجم و افلاک گره در گره است

صبا دمبکه بود ای زلف او برخاست مر از رشک بتن همچو شانه مو برخاست

مدام از جبابست ساغر بیت شده می بدو ربت می بیت

دل بکه مگذر ز جهان گذران است چون شیشه ساعت نفسم ریک و آن است

ز ثنوت چاک حبیب غنچه نادان افتاد است بیا که انتظار گل سحقم گلشن افتاد است

مرا چون کار بهشبهای تار است چرا غم اختر دبناله دار است

مرا بجانۀ سفال ز بنیوانی نیست خوشم که در کف من کاره گدائی نیست

شمشیر و هلاکِ رگِ دل بُریدن است این آبِ نیرتشنه منزل بُریدن است

شب که در مد نظر آن گیسوی پرتاب داشت مردمِ چشمِ ز مژگانِ شانه را در آب داشت

نوبهار است چمنِ رونقِ دیگرگون یافت شاهِ انجمِ بجهانِ دولت و زافزون یافت

دل که باشد در تنِ افسرده خونِ مرده است لعلِ نادارِ سنگِ باشد آتشِ افسرده است

تکمه نبود که سر از حیبِ روی آورد است جامه ات گوی ز پیر این یوسفِ برود است

سجده در مسجد و در میکده بیجا نه خوش است گریه در خالقه و خنده بیجا نه خوش است

از بزم رفت آن شوخ و غم او مانده است
داع و زخمی بردلم زان حشیم و ابرو مانده است

روزی که شانه زلف ترا باید کرده است
پهلوی ز صحبت شمشاد کرده است

کشمیر از صباحت رو نگیر جمال است
حسن سیاه اسنجا گرم است خل خل است

نوشه چنیاں را دین مزرع امید نوشته است
حاصل نه خرمین افلاک خرمیک نوشته است

آن شوخ بقفل من دلخسته میان است
در مرثیه ام معنی بار یک توان است

یار در حشیم و نگه سر گرم هست و جوی است
پردای دبدبه ام کو با نقاب و بی است

نیک و بد کس گوش نکردن همه نوشته است
مغز کے کہ بود در سر کس پنبه بگوش است

مار العیر داع جگر دریاغ نیست
چوں لاله در دساغ را غیر داع نیست

گریه پوش کار خنجرها بجات پیر مغان رنگ رز چهره ملت
 نرگ گویائی ز دغل نکته گیران رتن بست بستن لب خوشتر از مضمون بکین بست
 خواب شیرین طفل اشک از چشم تر د دیده است تا نکه کردیم این کودک شکر د دیده است
 ساکنان راه عشق آسان ز خود بگذشتند تا کما نش پل بروی آب بیکان بست
 از پی روزی همه وز نیه داران عاجزند معنی روز نیه کوئی سلب دزی بوده است
 همچو آتش روشن از من بود شمع هر فرار منکه مردم کس چراغی بر خاکم نخواست
 نمیکند من نانوایان نکه آن شوخ ز بیم آنکه بگویند نانواں من است

۱۱۵ بیت لب او سخن خوشتر از مضمون بست است (ب) ۵۴ هر شمع هزار (ب) ۱۱۵ +

از موج کجا بسته شود رخنه گرداب بر زخم دلم بچینه زدن نقش بر آب است

در هر نماز دست برافرو چراندند زاهد اگر زکرده پیش جان نگشته است

آینه شد از عکس رخسار محمل لیل حق بر طرف اوست که دیوانه خویش است

سعی مفلس کے بجائے میرسد آدم بے برگ تیر بے پر است

در موج خیز کرئہ من تا کند شنا دریا بدینست خویش که وی جاسست

بسکه باتاریکی شهبای غم خورده بود عاقبت پروانه در پای چراغ آرام نیست

سبیل زلف که در گلشن بزم منت مشب که گل شمع ز بوی گل شو شده است

غنی زیر زمین اهل فن را بود عیشی که بر رویی میں نیست

از شرم زہدِ خشک^۱ میخانہ تر شد^۲ اگر بعد ازین وضو نکند پارسا رویت

چشمِ نرگس پیشِ چشمِ کت کے توازن شد^۳ چشمِ تو ہر چند بیمار است اما زدنیت

تکرار میکند سخم را بصد ز بان ہر جا کہ در قلمرو عالم بقیہ نیست

عاقل آن بہ کہ بود چشمِ براہِ مردن از پئے بے بصیران خواب بہ ز بیداری است

کرد سوراخِ خدنگ تو نشانِ تراوگشت استخوانے کہ ہدف بود کونش شد^۴ است

باوصبا بگلشنِ حُسنِ نورہ نیافت آن غنچہ دہن بہ نسیمِ سخن شکفت^۵

تا دید سر بہ تنگی طفلِ شکِ ما دریا بدستِ موج کلاہِ حجابِ دوخت^۶

۱۔ خوش (ب)، ۲۔ سحر (ج)، ۳۔ بہت (د)، ۴۔

مانند نقشِ خاتمِ کرموم سر برآرد گرتنِ دهی بترمی گرد دلبند نامت

با آه جگر سوز و غم برده عشق شمع که بجز شعله مرا برگِ سفر نیست

مختبِ خمی کفی بیکار گر خارا شیشه های دانه انگور میباید شکست

سر رشته تخریبِ فنا و بدستم جز خطِ کف دست مرادِ سطح نیست

نئے زبانی نغمِ خیر دارم نه از دستِ بو دست و پا کم کرده چون من درین میخانه

کس که زنده با ظهارِ زندگی باشد دمیکه گشت ز دعایِ خموش گویانیت

کشتی من چوں بود این دینِ بجزای شکست لنگر از گشتگی سنگِ فلاخن گشته است

دم تاب بیکدم در سید افکارِ صاحبِ نام است که نقشِ بالِ طاووسم نگینِ حلقه دامن است

این بیت که در دفتر کتبِ فارسی (دور) است من خود در دست و پا میزنم و میگویم که این بیت

خُشنه که سفیدست نذار دمره چندان هم رنگِ نمک هست ولیکن نمکین نیست

ز سیلِ اشک بادِ عالمِ خاک غبارِ گریه بود در خاطر هست

لوریا فریش من و فریش تو نگر قایلین شیر قایلین دگر و شیرستان دگر است

پیشِ وقتِ بذلِ پر زرت محکِ نقدِ همتش سپست

در سماعِ نغمه چاک از بسکه تند پیرانم در لباسم غیر تار چند چون طبنور نیست

بدورِ کفر زلفِ او بهر جا زاندر شکست بسانِ مهره تنبج زاندر آغوش است

کس نمیگرد خبر کبیم ز عالمِ درخمار بیکیم تانثه می از سرِ من زفته است

له روایت عام کشمیر این شعر به معنی نسبت میدهد و همین روایت را اختیار کرده دلال آن را در اینجا درج ساخته
و لکن آن شعر در هیچ یک از نسخه های قلمی و مطبوعه دیده نمیشود +

پیر بر آورد و نیارد سر از بیضیه بروں بیضه ببل با بالش پر گردید هست

دست کوته را مکش از آستین پای چون شد لنگ در دامن خوش منت

یوسف مصر بخرد دادند پیر من بیچ کم از زندان نیت

کند در هر قدم فریاد خلخال که حسن گلرخاں پا در رکابست

رسد بگوش من آواز هر دم از لب گود بیا که خاک ز شوق تو چشمم در راهست

گر در غربت بر چین دارم همچو گریه داد تا هوای هر زه گری بر سر ما خانه رخت

گل نشکفت نامن عند لیب این چمن گشتم گره از آستین من بکار گلشن افتاد هست

له دست را کوته کن از آستین + پای نشد لنگ چون دامن خوش منت + (بد)
له شود معلوم از (د) یا (د) مثل (د) + له این حرف (د) + له ببل (د) +

ضبط نگه زنار کن موسم گل است بکشا تو نیز چشم که نرگس شکفته است

نامی رسد سخن بلبش سبزه شود زان خیمه پسته که بگرد و دین است

روز قتل از پنج جان بخش تو سر سجدیم تا قیامت خون ما بر گردن ما مانده است

چشم کرم مدار ز شایان که جز مند ۲ مینه خلقه ز کس در نیافت است

از مرگ فارغیم بیا و خط لبست گرد بست اینک را و عدم را گرفته است

امشب که از سوز در دل منضم چو نار شمع بود نقوید بر بازوی من همچو پیر پیر وانه خوش است

شب که از سوز در دل منضم چو نار شمع بود بستن نقوید من حکم پیر پیر وانه داشت است

۱۰ این شعر در (ج ب) و (د ب) ۱۰ ہیں طور میں باشد +
 ۱۱ این شعر با شعر قبل شباهت دارد - مثل این که یہاں شعر با قدرے تفاوت و تغیر در (م ک) در صورت دو شعر متقل نقل گردیدہ +

کوتاه نظر گشته ام اگر چه تو گوئی هر قطره اشکم گره تار نگاه است

بگذر از خویش چو مینی دین یار غنی دل به منی چه نمی را و عدم در پیش است

بے ریاضت نشو در شمع عرفا حاصل تا که و خشک نگر دید می نب نیافت

چوں تو ام ره صحرائی جنون طی کرین بخیه کفش مرا آبله پاشده است

هر حلقه زلف تو دمانه شده از شوق بگذار که یکبار بوسه کف یابیت

گل بستن این هنر نیست بزافیس غنی پیر طافس بود داغ که کم پر واد است

طاقت برخاستن چون گردن نام نماید خلق پندار که می خور دست و دست افتاده است

له دینے باز (۱)، له گل اقصای هنریت مخی بزافیس (دبلا، ددچ، ۱۱)،
له مولانا ابوالکلام آزاد این شعر را در "خمار غافل" (مکتوب ۲۹، ج ۱، ۱۹۸۲)، بجای "کلمات اشرا" یعنی
لبت داده است و به شعر خود در هیچ نسخه "دیوان مخی" یا نسخه های چاپی "کلمات اشرا" دیده نمی شود.

نه در بگوش خود آن ماه دلتان نهند که مار کاکل او مهره از دمان نهند

از بس که داغ جلوه او گشت در چمن مانند شعله سرو سراپا در آتش است

مانند گزافان حریف اینقدر سختی ندیم دانه شکیم و مار اگر دش چشمه است

هر روز تغافل نمک زخم نگاه است حرفیت که بر حال اسیران نظر نیست

تغافل تو مرا خوش نماید از لطفت که این بهر کس و آن خاصه از برای من است

عاقبت بکنوب مارا سویی او پروانه برد تاب سوز نامه مال و پیر دیگر نداشت

هوای زرقشال اندام میرنجیت چو برگ گل که از بادام میرنجیت

له فقط در گلستان مسرت یافته میشود + له این هر شعر فقط در گلستان مسرت یافته میشود -

له داراب کشمیری شردیل را هم بنویسبت داده است که از بزرگان خود همین طور شنیده بوده
کم اصل بزرگ شود بر همانند دوست + اندر دانه بچخته شود بترکاند پوست + در هیچ نسخه خطی و چاپی یافته
نمیشود - خیال غالب این است که معنی بطور ضرب المثل گفته باشد، هر نوع چیز را قابل اعتنا نیست +

دلایف بحیم تازی

یابکه کشید در سفر رنج شد خانه نشین چو اسپ شطرنج

دلایف حای همله

روشن دلاں ندارند از هم غبار کلفت کے رنگ سے پذیرد آئینہ از دم صبح

دلایف خای مجمه

بہو سر بیای تو سودم ز در و سرستم خنای پاری تو م کرد کار صندل سخن

دلایف دال همله

بیل شوخ مرا رام سازد صبیاد تاز تاز رگ گل دام سازد صبیاد

بہو گل مشت پریم بخیر از پرواز است گو قفس را چو سبب بام سازد صبیاد

نقد بقدر بود نقش بر طاق و سم اگرش سگ ز داند دم سازد صبیاد

دم در دویش نقش نگین خوار است خویش را بیدہ بدنام سازد صبیاد

چون بطمی نتواند کہ مرا رام کند دم را تاز خط جام سازد صبیاد

مرغ دل شفیقہ سبزہ صحن چمن است دم را خط لب بام سازد صبیاد

معنی بھینہ فولاد بین روشن کرد سخت گیری کہ مراد قفس آهن کرد

۱۰۰ تیرگی ۱۰۰ این غزل در جواب غزل حضرت صوفی نوشتہ شد۔ ۱۰۰ آں (۱۰۰) ۱۰۰ مراد امک

شمع آورد سواد الف و روشن کرد
 تانکد ازین زیبای تو در پوزه حسن
 جیب را غنچه گل چاک زد و دهن کرد
 بچمن رفتی و از بهر نثار تو صبا
 امتحان زد گل بر کجای سوسن کرد
 چون کنم شکوه ز کم حاصلی مزین خویش
 هست مورا افتد را سجا که توان خمین کرد
 رشته هر چند زبان در دهن بوزن کرد
 هیچکدام نزد از دو ختن چاک دلم

جو مرغ دل به تیان بنویس در پرواز می آید
 به چشمش صحیح گلشن سینه شهبازی آید
 بط صها بدست کانه طنبور در دست
 پیر صید دل زندان بطل و بازی آید
 نشان نیست در نجائنه خاک از می شرت
 زجام خالی ز کس همی آواز می آید
 بر قص آید جو کار افتد لب صاحب تر و در
 که فاصد از پیر مکتوب در پرواز می آید
 فد چوں رخنه در کار کشاید در روزی
 زنگ آید در گوشم این آواز می آید
 ز شکر یک زبان دایم هر سو میرود شمرم
 چه مرغست اینکه از یک بال در پرواز می آید

کارگر که نشود در زمانه بند
 هرگز که ندیده در انگشت نشانه بند
 یکدم نگشت سیر بیابان نصیب من
 گشتم چو ریگ شبیه ساعت بجان بند

له جو د د کم (د ب ا) جزو (اول) (د ب ج) له الف (د کم) له میخانه (اول) له رخنه در کار تو
 (د کم) له ندید (پ ن) +

گرم طلب بوصل مانند اضطراب تیر که تیز حبت نشد در نشانه بند
 اے عندلیب بہر نشاطی کس گل بر روی آب ہچو حباب آشیانہ بند
 تنکے چو گرد یاد تو اں بود ہرزہ گرد خود را چو نقش پای بیک آستانہ بند
 آخر ز پر غوری شکست چاک میشود تا چند چوں انا کہنی دل بدانہ بند
 ماند گل غنی گمہ کیسہ باز کن

تا چند ز چو غنچہ کنی درختانہ بند

لب لعلت چو مقابل بئی تاب شود ساغر بادہ ز خجلت چو حباب آب شود
 عاشق از آرزوی مرگ چو بیتاب شود ز بقائل دیدار کشتہ چو سیلاب شود
 فیض چون گمہ نہ چشمان بند کس ز کریم آب دریا ہمگی صرف بگرداب شود
 سر خود را اگر از سر و بناید قمری طوق بر گردن او تیغ یہ تاب شود
 ز ہر چشم تو ز بس کرد سرائت دروے چہ عجب ز ہرہ بادم اگر آب شود
 ہر تہی کاسہ دیں بحر بود سرگرداں حل این معنی پیچیدہ ز گرداب شود
 رہ بجائے بند ہر کہ ز خود بیخبرست نقش پای بود آن پای کہ در خواب شود

بخت شورم شدہ از بسکہ گلو گیر غنی

گر چکانی بلم شیر نمک آب شود

زنده در گورم اگر گردش افلاک کند
 می کنم گریه تا لودگی دامن خویش^۱
 باده عیش نشوید ز دلم گرد مال
 آیش نش گریه خاطر گلین باشد
 هر که چو گورزند خنده بزم زدگان
 آشیان بندی بلبل بگلستان بیجا^۲
 در شب وصل نشان مبدد از شمع مرا
 مهره مار بود در نظر باده کشان
 به که در مرگ عزیزان بسرم خاک کند
 اشک تا دامن آلوده من پاک کند
 خویش را اگر خیم افلاک تیر خاک کند
 عندی لبی که ز گل میل بخاشاک کند
 چشم دارم که فلک ز رویش خاک کند
 مگر از صحن چمن خار و خسه پاک کند
 پرده چو دور ز رخسار عرفا کند
 سر بروں دانه انگور چو از تاک کند

هست از سلسله خاک نشینان شمشاد
 ریخت دندان ز دین رفت جوانی برباد
 شد مرا از فتنه بینه بلبل معلوم
 هر حبابی که سراز باده بر آرد گوید
 دست به بیت مگر از تانه بگیسوی نو داد
 آه ازین ژاله که در مریع عمرم افاد
 که گرفتاری عشاق بود مادر زاد
 برب لب ساغر محی خانه توان داد و بباد
 طفل اشک است ز تکلیف دلبان آزاد
 بے زبان باش اگر میل فراغت داری

۱. پاک (د)، ۲. دامن پاک مگر شک مرا پاک کند (د)، و (ب)،
 ۳. برخاست (ب)، ۴. دهن (م)، ۵. بنجم (د)، و (ب)، و (م)،

شانه عمر سیت که از شوق کند تکرارش
مصرع زلف تو آخر بزم باها افتاد
خامد چهر پید دود لیک یعنی برسد
سعی کار نمی کند چوئل نبود استعداد

بسان آبیاد رنفع من نفع جهان باشد
نخله می رسد روزی مرا اگر آب نال باشد
گدا چون یافت روزی خویش را دانستیم
برای موی سنگ آسایتخت و او باشد
بهم دل رسانید هست می از دوستی مارا
آهی تا دم آخر به کام دوستان باشد
هوای باغ گیتی چون گل شمع نبیازد
بنیم نو بهاران بهر من باو خزان باشد
زدست انداز غارتگر چه افسرده دل بنم
که ما چون نهال شمع گلچین باغیان باشد
فلک گیر وزن روزی هر مردم کند قنمت
میان آبیاد من کنار از دیگران باشد
چنان شد بدگمان عیب از انداز پروا دم
که سوز دگر پیر کلبه مراد آشیان باشد
کند بوی شراب مست از روی تنگ ظرفی

جواب داده دیشتم غنی رطل گران باشد

تا بصحرای طرف روشن چراغ لاله شد
گر دباد از پرتو آتش شعله جواله شد
ابر طالع را تماشا کن که در فصل بهار
بیضه بیل برای گلشن ما ژاله شد
بسکه در دشت جنون داریم آتش زیر پا
حلقه زنجیر خواهد شعله جواله شد

له گر (۱)، له حصار از بهر (ج)، له باشی (د)، له کبایم (د)،
له بر تنم هر قطره خون چون سحر بخار شد (د)، +

بسکه افتادست بی لعلت گره در کارش ^ع فطروعی بر لب زباکش بتخاله شد

نادل ماکرد سرفریاد در صحرائی عشق
گنبد گردون غنی پراز صدای ناله شد

شکر آینه تیرے که گذرازد دل و جاں کرد
از نینج گریبان صبور ی ندریدیم
چون کوه مرا زخم زباں گرم فغاں کرد
چون صبح مرا دیدن ناں سیر زجاں کرد
تا آب رخ محسوب شهر نرید
ماشتی می را نتوانیم رواں کرد

هرچند غنی همچو بگین خانه نشین است

ناش ز در بسته برآید چه توان کرد

مرو در بیم دشمن گرچه جان بخش است عالم را
چو سرکش بر سر افتادگی آید مستوایم
که میرو آتش اردو چشمه آب بقا افتد
که کار خویش خواهد کرد آتش هر کجا افتد
کشده اهل سخن گر بر سرم دست نوازش را
زجا که میبرد آتشوب گیتی خاکساران را
مرا چو خامه معینهای مشکل زیر پا افتد
کجا در اضطراب از باد موج بور با افتد

غنی از بس میان او بود در نازکی یکتا

اگر موی دگر پیدا شود در یچها افتد

له متن (ب) حن دمک، عیش دج، له سجده محراب دج، له بریزد (ب) و
(م) بریزد دج، له سرفریاد (ب) +

ز شرم چشم تو بادم خشک تر گردد
مئی رسیده چو بنید لب نو برگردد
ز خود نمائی بگذر بوسم پیری
چو ابره کهنه شود بهر که آستر گردد
مهر بهمت عالی گمان خواصی
ناره در صدف چرخ گر گهر گردد
چو ماهی از تن افسرده دل بریزد خون
تنش تمام اگر پر ز میشتگر گردد
بزم باد ضرورت گزدش جاع
چو نیست ساغر می کاسهای سر گردد

ریخ زرد من آن چشم سیه را در نظر باشد
محک را هر کجا بینی سرو کارش بر باشد
ز گردیدن رسد چون آید خانه ام وری
من از گردش چو نامم روزی من در نظر باشد
بهنگام نثار از بس جواهر فتنه در کارش
بجای رخنه دیوار سوراخ گهر باشد
نه دردی از بلا پہلو اگر آسو دگی خواهی
که در سیلاب کشتی امین و پل در خطر باشد
دل باشد و نیم از ناله دریا و گل و بیش
نوازی بلبلان او ز منقار دگر باشد

مبزند چشم تو هر لحظه بزرگان ناخن
ترسم ای شوخ میان من و تو جنگ شود
نیست چون مهره نردم بهیچ قصر بلند
خانه ام ساخته از رنجین رنگ شود

له در (پنج) و (بلا) این مصرعه همین طور میباشد اما در (مک) مصرعه اولی احب ذیل است
به دل فروزی شمع چال او نرسد
له خیزد (پنج) و (بلا) +

هر که مانند فلاخن دل شکن دارد
 عمر باشد که بوصف دهنش مشغولم
 رفصه اندم که کسی را یکس جنگ شود
 گرمی از دل سخت تو ندیدم هرگز
 نرسیم آخر نقسم غنچه صفت تنگ شود
 باورم نیست که آتش علم از تنگ شود

تا در پیش افتادیم راه نماند
 من از قدیم سعی بمقصود رسیدم
 هر خار که در پای خلیفه است عصا شد
 سرش پیش فکندن زگنه داد بخت
 هر آبله پای مرا قبله نماند
 عاشق بفنا سیر ز معشوق نگردد
 صد طاعت ناکرده بیک سجده داشت
 چو شمع غنی گریه ما بجز از نیست
 ماهی طلب آب کند گرچه غذا شد
 هر قطره اشک آبله چهره ما شد

بصحرای قیامت چون صفیر از صور برخیزد
 بناند آسچنان از درد آیام جدا بیها
 شهید گردش چشم تو مست از کور برخیزد
 بمیدان پر آشوب محبت آن شهیدم من
 که از سرتاب سر صحن قیامت شور برخیزد
 مراد اغیبت بر دل ای سجا که نفس هر دم
 که از انعطیم خنم جوهر از ساطور برخیزد
 غنی پر سوخت بختم از بجای خصم کم فرصت
 صدای العطش از مریم کافور برخیزد
 الهی عیب جواز خاک فردا کور برخیزد

مختب بر در میخانه نشستن دارد شیشه دانه انگور شکستن دارد
هر دم از گوشه خاطر سر بستن دارد معنی تازنه غزالیست که بستن دارد
زنگ از دل بنزد در شب هجرت نهان بے رخت آئینه ماه شکستن دارد
نقش پایم زره خاک نشینی گوید که هر جا که نشاند نشستن دارد

آن چشم مست باده کشتی را چو عام کرد نرگس ز ریکه داشت همه صرف جام کرد
تا بود گفتگو سخف نام تمام بود نازم بخاموشی که سخن را تمام کرد
در چشمه پیاله جباب شراب نیست می را هوای باده لعل نوجام کرد
محتاج دانه نیت پی صید بلبلان صیاد مازدشته گلدسته دام کرد

ای خوش اندم که وصال تو مبسر گردد چو نفس جان بلب آمده ام برگردد
بیم کلفت نبود گر بهم آمیزش نیست آب آئینه که از خاک مگذر گردد
انقلابی بغم آباد جهاں میخوایم شاید این طالع برگشته من برگردد
مند فقر کم از کسوت شاهی نبود زبید آئینه طرف گر به سکندر گردد

له ماچہ (مک) ه رنگ (ب ل) و (مک) هت (مک) ه ما (ب ل)
ه چو (ب ل) و (مک) +

آید مرا ز خنده گل این سخن بگویش و شد دل کس که سر کلبه باز کرد

بچه مینار و زبان و می که دارم از سحر است گر نباشد باده و شتم آستینی میکند
بسکه در هر گوشه تخم خاکساری کاشتم گر دباد از مزاج ما خوشه چینی میکند
خاطرش چون از غبار لشکر خط جع نیست هر دم آن زلف پریشان ثانه بینی میکند
در فضایی سینه ریزد رنگ صد گلزار را هر که چو آئینه خاکستر نشینی میکند

ببرد دست ضطرب زبردست آسودگی داد دوشا بد بکلام من و رنگ آریا باشد
توان از چرب نرمی کرد و سرخوش مکرش را که تار شمع دائم شعله را زنجیر پا باشد
ز دلسوزی بریزد آبله از چشم تر آبی بر او شوق تا که آتش در زیر پا باشد
بجویم دل ندیدم جمع اسباب معیشت را که آب و دانه ام چو آریا از هم جدا باشد

چو کرسی جایی گرمی هر که در خلوتش دارد نه جند ز جا هر چند آتش زیر پا دارد
کس که چرخ لطف دید چو رے ز قفا دارد چو آن خوشه که سبزی ز آب آریا دارد
بود بخت سیه را اختلاط با سنجک و پال بود که مسکن طوطی سواد هند جا دارد

له در دمک، من باشد و در مصرعه اولی کاشتم بجای کاشتم و له (مطابق دج) غنای
کرده شد - له سیه بخان (دلا) +

بدور ماه رخت شمع هر کجا باشد کلیم بخت بیا هوش بزیر پاشد
 کس بر وز جز اسخ رو تواند شد که خاک پای شهیدان کربلا باشد
 شود بره یقین پیر دستگیر ترا امام سجه گر از خاک کربلا باشد

سخت جانے که بسرمای ریاضت سازد همچو به فصل خزاں خرقه زدوش اندازد
 اثر شرم درین قوم زیروی نیست هیچکس را نشنیدیم که روئے سازد
 کسوت مکر بود بار بار باب کمال چون بهی بخت شود زدوش اندازد

میان باز اکت همچو موران دلتان دارد بر مورست شمشیر که بر موی میان دارد
 نگه زدیده از چشم سفیدم هر که پیش آمد که دیدن در سفیدی چشم مردم را زبان دارد
 غنی زخم زبان را پنج مرهم به منبازد مگر زخم زبان خاصیت زخم دامن دارد

مردم که بالین من آن یاز نیامد صد بار ز خود رفتم و یک بار نیامد
 هر چند که ز دیشته می بر لبش انگشت بے لعل تو پمیان بگفتار نیامد

دهد چوں قدیای را چشم اوصه پای بهوشی
 بسوی چرخ از دوش ملائک بر زمین افتد
 غنی جای دوا می درد باشد همچنان خالی
 اگر صدار از داغم سیاهی چون نگین افتد

یاد این که عالم از شراب اکباد بود
 سرگه گر بود در پیشانی ز نادر بود
 شب صدای گریه و جی دلشت در بیم
 چشم نمی که ز اشک خالی بود در فریاد بود
 چون باشم در ندامت کز پی تصویر من
 رنگ خجلت بر چین خامه ایجا بود

گراسخان که بقطع راه تخرید آتشا گردد
 که خواهد زاده گر گردد خود چوں آتیا گردد
 ز ندر بطیم پیونگان را گفتگو بر هم
 سخن چوں در میان آید و لبان هم جدا گردد
 غنی در ملک دنیا انقلابی آرزو دارم
 که خاک از گردش گرد و غبار آتیا گردد

اندیشه نداشتم از دل که خوں شود
 داغم از این که داغ تو از دل بر دل شود
 گوید زبان شیشه نهانی بگوش جام
 هر کس که سر کشد بجهان سزگوش شود
 چون پنبه خشک گشت غنی مغرور سرم
 زید اگر فتنه داغ جنون شود

بر زبان قانع اگر حرف لبِ ناک گیرد
زود از شرم زباں در تیر دندان گیرد
تا عیارے ز سر کوی تو رو بد بخورشید
نور در دیده او صورتِ مرگان گیرد
در دم صبح غنی پیر فلک می گوید
که فضا نان دهد آن لحظه که دندان گیرد

بروزِ هجر کے سیرِ کس تا نام ہوں باشد
کہ کلین بجے کل روی تو در چشمِ قفس باشد
ز بیم گفتگو خود را ہنہاں سازند خاموش
نقابِ صورتِ آئینہ از نا نفس باشد
بدہ از بنرہ خط مرغ دل را خطِ آزادی
چو مغزِ رستہ تا کے طوطی ما در قفس باشد

زلف از راه ز شرم کمرش برگردید
عاقبت مو بمیانِش نتوانست رسید
دستگیر آنکہ طلب کرد رہے پیش زلفت
آسیا کرد عصا گشت بجائے نہ رسید
حساد از کردہ خود گشت پشیمان کہ بزود
برز میں زد سخن ما و با فلک رسید

منصور بار بست ز دنیا و دار ماند
پرواز کرد گل ز گلستانِ خار ماند
بہجوں سپیدے کہ بود گردِ مروک
تا دید پنبہ داغ مرا بر کنار ماند
بگذشت عمر و موی سفیدی بجای گذشت
خاکسترے ز قافلہ باد گار ماند

لے (۱۱)، برہ (۱۲)، لے (۱۳)، لے (۱۴)، و (۱۵)، لے (۱۶)، لے (۱۷)، لے (۱۸)، و (۱۹)

مکن باد و ستاں از آشنائی خنکلاط افزوں
در آید چوں درون دیده مرثکاں خار میگردد
مکدر میشود دل از سنجکویان بمعنی
بریں آئینه رنگ طوطیاں زنگار میگردد
بچشم کم مبین گردد که درت را که در آخر
برای خنکلاط و ستاں دیوار میگذرد

سر مه افتاد ز چشم تو و رسوا گردید
چوں سیمست که از روزن میخانه فند
شمع آهیم که کند بزم فلک را روشن
اختر سوخته ام چون پر پروانه فند
کو دکان سنگ بکف بر سر را هند غنی
خواهم این فرعه بنام من دیوانه فند

بود روشن لال را اجتناب از غم نشانی
برد آئینه در بزم سکندر آتش ناں از خود
بدست تیغ او سپرده ام جان و پشیمان
که رخسار بنده ام آن بایر جانی را بجاں از خود
مرا چو آید ناخوش دست گل به زنتی دست
که روزی آورد در خانه من میهاں از خود

میرود چوں گرد بوی جامه یوسف بباد
غنچه گوی گریه بیاخت اگر و امه شود
ما بفقرو فاقه خور نییم همچو آسیا
گریه روزی غبار خاطر مایه شود

از تو صہای مردم سخت حیرانم غنی هر که می افتد بیا یکم کنده پامیشود

هر که را چشم بر خسار نکوئے باشد شمع پیش نظرش آبله روئے باشد
هر که در وادی غم تشنه لب خون خود است دم شمشیر به چشمش لب جوئے باشد

رسد چوں بر لبش پیمانه صہبا جانمیکرد بے جای لب می نوش او صہبا نمیکرد
بدست خود چنان بستم خنای بے نیازی را که همچون پنجه مر جاں درازد به بانمیکرد

ز ناز عشوه دایم آستین را پر ز جبین دارد همیشه ماه من چین جبین در آستین دارد
چرا دوز غنی چشم طمع بر دولت دنیا که از نقد سخن گنج رواں در هر زمین دارد

رای من حسرت از خون دل من نازد میگردد ز رویم بے پرد رنگ بر لبش غار میگردد
بجو که دایم من جو را با جام آبی سرخوش لبم پیوسته برگرد لب خمیازه میگردد

له درانم (دج) ۱۴ ما (دک) ۱۵ لب (دک) ۱۶ و (دک) ۱۷ به جبین (دک) ۱۸

۱۹ بر (دک) ۲۰ لغت (دک) ۲۱ رواں (دک) ۲۲ +

در لحد غنچه خاطر ز کفن بکشاید
دل غربت زده از صبح وطن بکشداید
کودکان غنچه گل را بنفس باز کنند
ز بید آن شوخ دهن گریه سخن بکشاید^{له}

قبض سخن ببرد سخنگو نمیرسد
از نافه بوی مشک با هو نمیرسد
زاهد به یار تهمت صهباشی مکن^۳
پیدا است اینکه می بلب او نمیرسد

تُرک خواب آن ترک خنیز از پی نخچیر کرد
پریود آورد از بالین و صرف تیر کرد
گر توانی ایدل از فریاد بیدارش مکن
بخفت خواب آلوده مارا یاسی زیر کرد

دلم سوزد چو برگه از درخت در خزان افتد
که از برگ خزان آتش بجان بلبلان افتد
در فیض سخن هرگز بدست سعی نکشاید
بدندان و انمیکرد دگره چو برب زبان افتد

دور از رخت ز دیده من فورے پرد
چشم ز خواہش نگہ دورے پرد
در آرزوی طرہ مشکبنت لے نکار
شد چشم ماسفید و چو کا قوری پرد

دیده چوں آں دولبہ بنیں دید
معنی فتد مکرر فہیدہ
بسکہ دیوانہ چہشت گردید
کار بادم بہ زنجیر کشید

ز ناز گشتہ گیوی دلبران نرسد
چنانکہ مار گزیدہ ز ریشماں نرسد
کسے کہ ابروی آں ترک جنگو بیند
عجب مدار کہ از سایہ کمان نرسد

بزم وصل است اگر میل تماشا دارید
ہمچو آئینہ در دیدہ خود و ا دارید
آید از تار نفس طائر معنی در دم
اے حریفان نفس گوش مہیا دارید

خنوڑان قلمن چہ سحر پر دارند
کہ صد پرند بیک تیر بے پر اندازند
ز راہ حرص عجب نیست گرجاں رفتند
بیک رواں کہ چو شاہیں بلند پر دارند

۱۴ تودم، ۱۵ نگہ (دم) ۱۶ دیں جالین دویتی مطابق (دج) و دلا، ترتیب داده
شدہ بہت در دم، مصرعہ ثانی و مصرعہ ثالث یکدیگر عوض شدہ است ۱۷ مار دمک، (دبلا)
۱۸ ختنہ (دبلا)، ۱۹ گردچ، ۲۰ آمد (دلا) +

کسے گز و سعت مشرب چو کرد و کام میگیرد
که شب بیج برف صبح بر لب جام میگیرد
پردگر رنگ از رویت بطامی در میان آور
شکاری مرغ وحشی را مرغ رام میگیرد

چمن بیناں تا نظر بروی زردم کرده اند
در شب غم شمع نیم ابل در دم کرده اند
بچو بخونم سر به با جاده پیمائی بنود
رهنمایان در بیابان کوچه گرم کرده اند

گرنه قصه سیر باغ آن ترک نیر انداز کرد
مرغ رنگ از آشیان گل چرا پر واز کرد
خواستم گز گلشن دیدار او حینم گله
چشم واکردن در حیرت بروم باز کرد

آسمان برگشت از خورشید ناروی تو دید
پشت زد بر قبله ماه نو چو بروی تو دید
رفت تیر از هیبت شست تو بیرون انکس
شد کمان را پشت خم چو نور باز تو دید

عاشقان نامه خود بر پر دیگر بستند
نهمته بود که بر بال کبوتر بستند
غافل از ذکر مشوگر نبود سجده بست
رشته بند بر انگشت مکرر بستند

ساده از دب ۱ ۳ روز (۱۱) و (دب ۱) ۳ رخسار (گلستان سرت) ۳ سمارت تیر از هیبت
مشیت نو ماقولف (ج ۴) و (دب ۱) ۳ گره ۴ (دب ۱) ۴

بصحرای جنون از بغیر یکس اقتادا
کس جز رنگ طفلان بر مخنوب می آید
غنی از کرد و گفت همچو یک شیشه است
نفس در سینه ام میگرد و بیرون می آید

افسرد زخم و داغ دل آفر ز قحط خون
در خشک سال چشمه و جو خشک میشود
گر جام می دمی نبود بر کفم غنی
دستم بهان دست بسو خشک میشود

بے سرانجامی من میں کہ زندانِ غمت
سر مومیم شده در آرزوی شانه سفید
حالِ حشیم نر خود ساخته حیران مارا
گشته تار یک سُر تاشده اینجا سفید

نه نشین باده پُر شور در دما تم است
دست را نیلی کند هر که نگار آخر شود
حیف باشد در وفا کم بودن از رنگ حنا
عمر آن بهتر که در پای نگار آخر شود

دغم که چو طوئس پر ریحیت من
ره در قفس بالش صیاد ندارد
شعر و گراں راهمه دارند بخاطر
شعر بیکه غنی گفت کس یا ندارد

بصحرای جنون (دک)، و دبا، لا غفلت (دبا)، لا افسرده (دبا)، و دمک، لا چاراد (دبا)،
جهان (دبا)، لا نشین باده پُر شور در دما تم است (دبا) +

نیفتد پر توے بر ماہ گران شمع خوارش
بگردش مالہ بچوں شعلہ جوالہ میگرد
یچاں از ہمدیاں دام نہاں ز دل خود را
کہ بچوں نے نفس در سینہ من مالہ میگرد

ز گم پریدان ز روافد چیں بر دم
ماند مرغ وحشی گزند دام میگیرد
ز اہد ز ہمت بہت روحی اہند بگردوں
این مرغ سست پرواز بر بام میگیرد

ہیچکے سرکشہ خاموشی از دستم ز رفت
بی سبب چوں آستینم بخیہ بلب میزنند
بخت میخو اہد سیاہی تا بر دخواہم ز چشم
راہ مردم بیشتر غارتگراں شب میزنند

چاک پیراہن یوسف بنود بے معنی
خندہ بر پاکی دامن ز لجا دارد
بسکہ در گوشہ عزلت چو غنی دل بسنم
ہر کہ شد گوشہ نشین ز دل من جدا دارد

گشتم چنان ضعیف کہ چوں نور مہر و ماہ
بشتم ز بار سائہ دیوار بشکند
زین قیمت گران کہ بود گوہر مرا
نرسیم کہ رنگ روی خریدار بشکند

لے باد بے لے راز دمک، لے ناہا دارد دمک، دوران سخن غزل ہم طبعش را این شعر باشد لے از دمک
لے می زند دمک، لے ہر دلا، لے ما دمک، من دب، +

تلم تخریر کرد از سینه چاکم مگر حرفی
 که مکتوبم ز صد جا پاره چوں بالی بگوشد
 بغیر از کیسه ام کز بزم و نذر دزدید پلورا
 غنی در پیلوی من هر تنه دست تو اگر شد

هنر خوینیت چه حاجت بلند پروازی
 که کار شیر ز شیر علم منی آید
 بیکه در شب هجر تو چشمم گریاغم
 چون خم آب رسیده بهم منی آید

اشک حسرت بسکه میخوشد به گام وداع
 میبرد پایم ز کوشش لیک در گل میبرد
 کاروان عمر دارد بسکه در رفتن شتاب
 همچو ریگ شیشه ساعت و منزل میبرد

جهان اگر چه بود نشین چو ساغر جم
 چشم کاسه درویش در منی آید
 برد همیشه دل از کف نوازی مونسقار
 صدا لگو که بیک دست بر منی آید

ازین هوا که نرا در بر سست می ترسم
 که چون حجاب رود عاقبت برت بر باد
 ستم رسیده نگین دل شست پنداری
 که جای دست بر تنه میزند فر باد

۱۸۷ بغیر از بزم و نذر دزدید پلورا (ب) ۱۸۷ به (م) ۱۸۷ صدای دم (ک) و (ب) ۱۸۷ دلیت (ب) ۱۸۷ +

ہنالے را کہ دیہقان کنڈاز جا کے شمر گریڈ نمیخواہم کہ مارا آسماں از خاک بگریڈ

بنا شد از تغافل گرہ با گو یا نمیگرہ دد لب اویسکہ شیر نسبت از ہم و اینیکرہ دد

کس نہ ہمرنگی ما مدعی مانثود کہ کف بحر حریف بدیضیا نشود

گر گمڈ فرما دجا ہنا کے بن پہلو زند تیشہ اش از دور پیش من خم زانو بود^۲

در دیدہ سفید نگاہ ہم اسیر ماند آہ این چہ طائرست کہ در بھیدہ دیواند

بے صفا از گمڈ خط گلزار حسن بایستہ آب این آئینہ صرف سبزہ زنگار شد

شامِ غم کز چشم ما^۳ دور آں مہ پر نور بود چون گلن یک میل نور از دیدہ ما دور بود

از سالکان رفته نشانی بجایماند بر آب هر که رفت از نقش پیماندا

چشم بر ایند می خواراں که باران شود ابر میخوانند متاں خانه کو ویراں شود

تا چشم دو ختم ز جهان بنیثم فرود سوزن برای دیده من میل سرمه بود

دوش بے می دل زیر باغ در آزار بود کاسه سر سچو ز گس برتن ما بار بود

کسے آواره تا که درد یار خوشین باشد چو ریگ شیشه ساعت مسافر در وطن باشد

تنگ چشماں چشم خود بر رزقِ مہاں می نهند از طمع چون آریا ناں بر سر ناں می نهند

تجاکہ کہ جابر لب آن ہوش رُبا کرد می ریخت بجام خود و خون در دل ماکرد

گرد دامن تغافل نزود از یاد م این عبا ر سبک کہ در خاطر ما میگرد

۱۷۹ این شعر در کلمات الشرائع بمیزان سحر منسوب میباشد ۱۷۹ من (دب) ۱۷۹ سردمک، ۱۷۹ تجال
۱۷۹ من (دب) ۱۷۹ و دمک، ۱۷۹ این شعر فقط در (دب) ۱۷۹ یافته میشود +

شہزادیں پردہ باظہارِ جمال اند خوابان ہمہ چوں صورتِ فانوس خیال اند
 کبر در سلسلہ پادہ کشاں کم باشد ناک چہرید کہ بے بار بود خم باشد
 چون بحیر چمن آں دلبر طناز آید رنگ گل بیشتر از بوی پیروان آید
 ترکِ نمک گرفت و نمک را خراب کرد آخر نمک حرامی دغسَم کباب کرد
 خوش آن زمان کہ تیرش از شست جہتہ باشد در پہلویم چو ترکش تا پیر نشنہ باشد
 در ہوا می آبِ تیغش بسکہ از تیاب بود بجہتہ بر زخم تو گوئی موج در گرداب بود
 نئے ہمیں مرثکاں ز ہر آلود یارم میگزد شانہ آں زلف چوں دندان یارم میگزد

گشت تا چشم نرم در ره مطلوب سفید پیش مردم نشود دیده یعقوب سفید

بود در ضطراب از اهل عالم هر که کامل شد طبیبان در میان جمله اعضا قسمت دل شد

نصیب ما ز باغ آفرینش میوه غم شد نهالے رکه پروریم آخر نخل ماتم شد

بنوعی پارسا از سجد گردانی پشیمان شد که انگشتش چو مسواک از دهنش ^{له} صرف شد

رفیق اهل غفلت هر که شد از کار میباید چو یک پا خفت پای دیگر از رفتار میباید

برف نتواند شدن در کثرت باران سفید شد چنان از گریه مارا دیده گریه میباید

از چرخ بے مذلت حاجت روا نکرد و تا آبرو و نریزی این آسیا نکرد

هر کس که دیده روی تو دیوانه میشود آئینه خانه از تو پری خانه میشود

^{له} روق (دک)، ^{له} برف (دج)، و (لا)، و (دب)، و (دک)، ^{له} در بستان بے خزان
مصرعه ثانی بریں قرار است مع آئینه از رخ تو پری خانه میشود +

از شرم قاشش سر و چو در گیر رو کرد فتری ز طوق گردن زنجیر پای او کرد

بایران سخن را روان می رود چه ایران سخن در جهان می رود

دیدم ام از دیدن وضع جهان رخور شد^۳ زخم چشم را سفیدی مرهم کافور شد^۳

پوشش شهر ترا دید از نماز افتاد^۴ دمه اگر چه بیا ایتاد باز افتاد

گر نباشد باده دل بر نشسته آواز بند چون ز صها می شود خالی کدو بر ساز بند

بیخ ظالم دوست چون عابر گشتی از سر کند^۵ تیر را پر وانه بخشد مرغ را بے پر کند

ما پیچ ره آورد دگر چشم نداریم بایران همه خواهند که تشریف بیا رید^۶

بے بطوق (ب) بے بایران سخن های حال می رود (د) و (ب) بے بود (د) ب) بے در دم (ک)
هے و لے دم (ک) هے کسے را سوزند (د) ک) هے بیارند (د) ک) و (د) ب) +

اگر آفتاب تابان چوں بے نقاب گردد در چاه ما و کفها از مشرم آب گردد

پسند آسا اگر پیش خودم در آتش اندازد ازاں بهتر که دور از خویش چو چشم بدم زد

چو قصه زخم سینه اجاب میکند شمشیر از مشک سیه تاب میکند

ماه انداخت سپر چو طرف دی نوشد کاست از غیرت و بچشم با بروی نوشد

چو صبحدم ز جمال نقاب برخیزد ز رشک موبه تن آفتاب برخیزد

چنان از آتش ببل در گشتان آب میگردد که بر آب آینهها چو خس گرد آب میگردد

تا موی تعلق را نشود غنی از سر برگرد سرش هرگز دشار نمیکرد

غنی را از تنک ظرفاں نماند نهال آخر اگر چو شیشه ساعت نفس زمینه می زدند

رقص آں شوخ فراموش نگره دهر گز چه توان کرد که در خاطر مانے گردد
 دُنيا بزرگ باشد در دیده غلط بین اندک چشمِ احوال بسیار مے نماید
 گلشنِ افانی میکند گلبن بفصلِ نو بهار بلبلانِ کوئی که در خاک چمن آسوده اند
 بنود ز شوقِ بالِ همایض طرب من چشم ز اشتیاقِ پرگاه می پرد
 برسم بخورد^{نه} دار طیشِ سینه آستان مارا باین گیاره ضعیف این گمان بنود^ه
 فریبِ نعمتِ شان مجوز که از غفور صدای کاسه خالی بگوش می آید
 کار کسے برآر که خود هم رسی بکام چون گل نشان شود پر بلبل بنیر بند

مانند آفتاب که روشن شود بصبح داغ دلم زمرسم کافور تازه شد
 با آینه چهره می توان شد گر روی تو در میان نباشد
 بود عشاق را دست دگر در کار جابجاری بگو شمع این صدا از تیشه فراموشی آید
 دیدم میان بار و ندیدم دمان بار نتوان بهیچ دید چو در دیده موقوف
 بلبل بخدمت گل جامه کنی بگلشن بردار خار و خس را از باغ و آشیان بند
 نرسیم طرف مهر نبوت شود آخر هر داغ که عشاق تو بر سینه گذارند
 تا حرف می پرستان گفتی شنید زاید هشیار باش اینجا دنیا را گوش دارد
 ز بس بر خوشبختی می بالم از ذوق گرفتاری بسان بیهیبه می ترسم شکسته در نفس افتد

شوق دیدارِ خود ز خویشش برد باید آئینه را به پیشش برد

ساغر بکف گرفته جوهر گس میابرون ترسم باین بهانه دامن تو بکنند

دلم را خال و دزدید و در گردن خطش بچشم که مال برده را دزدان نهادن رخاک میارند

کنند تاثیر در معشوق هم بیتابی عاشق که مهر را بچون کتان آخر گریبان چاک میگرد

نیسازد غذای چرب ز ائلِ ضعفِ پیری را کماں را گر چه روغن میدهی فریه نمیگرد

هستند بکه مردم عالم هلاک نام نبود عجب که لوح هزار از نگین کنند

اثر برعکس شد سعی من از طالع و از تولد ز فریاد سپیدم چشم بد از خواب برخیزد

نرسد اندر توده که ساغر کشان بجش ^۳ بانامه سفید سراز خاک بر زلف

از گشته شدن چهره عاشق نشود زرد ^۴ این داغ به پیشانی سیماب نهاند

فیض ^۵ سیه بهار ^۶ شیم بود آرزو ^۷ بوی گل چراغ مرا سید مانع کرد

ز بهار این مباحش ای غافل از خشم حلیم ^۸ چون زین در جنبش آید خانه ها ویران شود

بحر ف ^۹ قتل من روزی ^{۱۰} باش گنت من نسیم ^{۱۱} که از تاثیر سخت من دم شمشیر برگردد

سزد که زاید خشک است ^{۱۲} بر لبه تمیزال را ^{۱۳} که نابینا عصارا ^{۱۴} رهنمای خویش میسازد

ز به بهان ^{۱۵} نیاید غوص ^{۱۶} در بحر سخن کردن ^{۱۷} سر به مغرور معنی که وی خشک را ماند

نام ^{۱۸} چون ز سر لطف فرستاد من ^{۱۹} روشنم گشت که آن ماه خطی پدید کرد

که گفته (ب) ^{۲۰} در دم ^{۲۱} در دلفین ^{۲۲} مجسم ^{۲۳} نقل شده ^{۲۴} داغ ^{۲۵} مصرع ^{۲۶} تانی ^{۲۷} پند ^{۲۸} میباش ^{۲۹} بوی گل چراغ
مرا کرد ^{۳۰} بید ^{۳۱} مانع ^{۳۲} ای ^{۳۳} تیغ ^{۳۴} (ب) ^{۳۵} و دم ^{۳۶} که ^{۳۷} غور ^{۳۸} و ^{۳۹} (ب) ^{۴۰} +

باشد نشاط دیگر در عالم تجرد هر کس که گشت عریان در پیرهن نگردد
 گردد اگر پرشته ز گرمی عجب مدار هر کس که سایه پروریند و ستال بود
 ببذل رام توان کرد ساده لوح را عجب مدار اگر آئینه را بزرگیرند
 ز چشمِ ناوک اندازد تو دار و مدّه زخی باین امید آه و خونِ خود را مشک میسازد
 حساب و زوشین بجز را چه می پرسی که روز نامه ما چون سیاه شب بود^۱
 ضد میکده را زنگ هر گوشه توان سخت زان سرمه که از چشمِ یه مست تو افتاد
 رد و فضیل بهار از دست ببلبل بجای آشیان گلستانه بند

بکار گاہ تماشا قلاب روی ترا ز تاشعشعہ آفتاب مے بافند

عیش از میاں رمیدہ بنو عیکہ در بہار دیوانہ ہم بسیر گلستاں مئے رود

معطرست دماغم ز خوردن صہبا نگر پیالہ ام امشب سفالِ سجاں بود
تغریفِ حجام

ز لطف بے نیاز کیسہ او آسچناں سپرد کہ از دست کسے خیرے بجز ہنر نمیگرد

خال رویش ز زیر برف صید دلہا میکند در زمین حُسن نتوان دانہ بیدام دید

مریدِ خضر توان شد کہ با حیات ابد تن از حجاب بانہار زندگی ندید

اے دل آگاہ شہا پاسبانِ خویش باش یک نفس غافل مشو از خود کہ خوابت میبرد

در جوانی بطرب کوش کہ این موی سیاہ شب عیش بہت و در افانہ بسر نتوان برد

۱۵ بار گاہ (۱۱)، ۱۵ زندگانی (دب)، ۱۵ شب تازہت بافانہ بسر باید برد (م)، ۱۵ بید (ج)،
۱۵ شد (دب)، +

بود گویا طفل نورفتار شعر نازہ ام کز لیم تارفت بیرون بر زبانها او قناد

دید چوں پروانہ را در خلوتِ فالو سفت شمع در بازارِ خوبی خوش دکانے گرم کرد

مشکل بود گرفتنِ چیزے ز دستِ خلق دستِ کسے بگیر اگر دستِ مبدہ

بالتفاتِ پدر دل منہ کہ قطرہ آب چشمِ ابر چو افتد در یتیم شود

پیوستہ کیسہ ماہیچوں جنابِ خالی است مارا دم چو ماہی جزو بدن نگردد

از نزاکتِ او فتد مضمونِ من گر مضمونِ کسے پہلو زند

ہر طائرے کہ بالِ فشان میرسد ز شوق دامنِ برآتشِ دلِ عشاقِ میزند

جوئی شیراز بر فرا و خبر می آرد که ہم خسرو و شیریں شکر آبی دارند

کلب من چوں خامه مورینه ریشہ شد شوق یک ازین دغم که خطم صورتی پیدا نکرد

باد دانی چوں شمع نتوانیم جان دادن چراغ هستی ما از دم شمشیر میرو

باد مات نتواند ز ماحت دم زد پسته هر چند که خود را بنک شکر کند

ما بصدمتی باریک نگر دیم خموش گهرست آنکه بیک رشته دهن می بندد

می آید بکار نیز بجان جوهر ذاتی ز آب خود لب شمشیر هرگز نرنمیکرد

مجنون شد هست بید که در موسم بهار خولش بکوش آمد و خنجر بخود کشید

نهان شد شمع در فانوس بتیاست پروانه تقریبی دکان خولش خوابا گرم میارند

له گوی آید (لغتہ ایشیاٹک سوسائٹی مطبوعہ) له ترتیب مصرعہ های این شعر عرض شدہ در ردیف نون ہم آمده است
له آئینہ (ایشیاٹک سوسائٹی) له یک دم (ایشیاٹک سوسائٹی)

نگہ سوی چین کردی و نگرس از شوق پیر بر آورد کہ گرد سرش پست گردد

ضعیفند آنچنان دل بکنان چشم بپایش کہ چوں مژگان اگر خیزند از پای باز افتند

کاروان بگذشت من از کاپی ماند مبراہ بہر خواب بام آواز جبرس افسانہ شد

غنی مشکل بود دل کند از خوابان زلفت ہنوز آب از کف یوسف بچشم چاہ می آید

خونم پاک از خس و خاشاک سازم دانہ را مزرعم را مورا ز سوراخا غرابال کرد

ہر کسے گوہر مقصود بیاید از سعی پای من بسکہ دوید آبلہ پیدا کرد

ز شعر من دگراں کامیاب من محروم زباں چو گوشت کجا لذت سخن یابد

علو یتیم کے آتش از ہمایہ میخوابد بنانِ خویش سازد گرم چوں گردوں تنو بخود

دغم از گردِ خطِ بار کہ از پر تو آن بر رخ آئینہ چوں ماه کلف پیدا شد

سبزہ دشت اگر ہوش با نسبت چرا ہر کہ دیوانہ شود دامن صحرا گیرد

مگر در دل خیال تیغ آتش را و بگدشت کہ بچوں آب آہن تابِ سخنِ من بکوش آمد

یک قطرہ آب بیش نہ خوردم ز جوئی حرص آں نیز عاقبت عرقِ افعال شد

بجز کلفت نشد حاصل ز اسبابِ طربا ز باد آستینی شب چراغِ عیش ما گل شد

صورتِ شیرین و جوی شیر دارد در نظر کو کہن در بستیوں کے بادِ جنت میکند

ندارند از تو نقلِ نوشتہ چوں آسمانم اگر برگردِ خود گردند زاد راہ میخواند

سہ ہمایہ بخوابد دلا، سہ آئینہ ماہ (دک)، سہ آد جوی من میں خوردم ز قطرہ "دک"، سہ جام (دب)،
سہ این (دک)، سہ پراشار دلا، و دج، سے نقل کئے گئے۔ (دک) میں درج نہیں ہیں +

گردون ز شوقِ مصرعِ ابروی آن هلال با آبِ زرِ رقم زد و نامش هلال کرد
 قلم و دوات کج کاغذ همه جمع کرد نگرس که بوصفِ چشمِ خوابان و رفته بیا ه سازد
 چنان شد که در کلفتِ سدر راهِ عیش در علم که غیر از طفل اشک از خانه طفلِ بر بنی آید
 سرکش از سرکشیِ خویش بود در آزار مارِ ضحاک که گویند رگ گردن بود
 لبِ سوال غنی پیشِ مسکان مکشای که نرسم از دهنش لقمه زباں گیرند
 سخت و لبستگی داشت بهالم صیاد تان شد بالیش او پُر ز پریم خواب نکرد
 بنا شد دل ز بارِ گرمِ خولِ بردشتن آس ز آتش چو سپند افتد جدا گرمِ فغان گردد

بپای یار افتادم که شاید بدست زلف پیچامے فرستد

می فرستد به پدر پیرهن خالی را یوسف از دولت حسن اینهمه خود را گم کرد

نتوان نفس کشید که در دور چشم او مرزگان سرمه سا قلم خط جام شد

جزای صدق مکافات در جہاں این بس که عمر قاتل پروانه تاسحر نکشید

در روزگار مهر نماند هست با کسے ترسم که آفتاب هم از آسمان رود

هر که در عین اقبال هست چشمه بر زمین چون مه و نور شید نور چشم عالم میشود

خوانند اهل دولت بیدار سخت خود را جز فتنه نسبت این سخت بیدار گونا باشد

سله این شعر و چهار شعر دیگر که بعد از این می باشد از "صحنان مسرت" گرفته شده است. در کلمات "مسرت" شعر
ذیل هم به معنی منسوب شده است و لے در "تذکره تالاع الاکھنڈ" و "شمع الجمن" آن را بمیرا طاهرو حید نسبت
داده اند :- نور معنوی ازل در دلم از یار افتاد عکس نور شید ز آئینه بدلیار افتاد

تا گنگی نو بر زمین روی و ده بر آسمان طرح جهان خوش بهت که زیر و زبر شود

عیشی که بنی پاید سرایه افسوس است این دست حجابنه بریم ز دنی دارد

ردیف رای جمله

براه شوق تو ای آفتاب عالمگیر پوششک شمع مرا عمر رفت در شگیر
 کجا ز دست خدنگ تو جلا بردنخیر پرندۀ زکمانت نجات غنیر از تیر
 تو آنکرا نرساند نفع مفلس را که هست ز غم کماں بے نصیب از پیر
 گرسنه آمد و ناخوردۀ خون من بگذشت هزار حیف که آن شوخ را ندیدم سیر
 بخالقه مبر سباب می کشی ساقی که هست کشتی می را خطر ز موج حصیر
 ز شرم پیش لب یار و انیمگرود دهان تنگ بتا گشت غنچه تصویر
 بیا و خط تو هر که که رو بره آرم بسان خامه مرا آید از قفا زنجیر
 دم برین سر شمع میکند روشن که خوشتر از دم مردن بود دم شمیر
 بگشت لبته دینا و آخرت کارم گذشته ام ز میان خانه زنت پوینر

له این شعر در (بح) بقی منسوب است له مام (مک) له عیسی (مک) و (ج) مردن
 (لک) و (ب) له بگشته بند (لک) له همچون (ب) +

غنی از ترک محبت بس پشیمانم
 ز زلف یار گم رفتم دل و شدم گمگیر

هر که کرد از دوزبانی دل مردم افکار
 عاقبت دهر کند در دهنش خاک چوبدار
 تن ضحاک کشید از رگ گردن آزار
 قصه مار که مشهور شد افسانه شمار
 مطلب از کثرت اسباب نگردد حاصل
 یک سخن سرزنش باد و زبانی از مار
 نزهت راجه اثر نگردد استغداد
 آبی صاف چو آئینه نگردد در غبار
 ناله ام گوش نکردی نو من داغم این
 پنبه از گوش برون آر بد اخم بگذار
 سایه گر سایه کو هست بک میباشد
 کسب تمکین نکند سفله زار با برفار
 گشت فریاد بلند از نفس سوخته ام
 کرد گل سوز درونم چو سپند آخر کار

کار من نیست غنی چون دگران خود بینی
 ز دم تا ز خود آئینه به پیشم بگذار

بهر ندیده بسته دم از اختلاط زلف یار
 میگذرد مار از بان شاه چون دندان مار
 از دکانداری نیارد هیچکس روزی بدست
 که بنشیند نزار و مبتوان کردن شمار
 میکشاند گر زنده میدارد نیشها و نیریت
 کم ز آب زندگی نبود شراب خوشگوار
 از تنزل پست فطرت را نباشد هیچ پاک
 بیم افتادن ندارد دهر که باشد ز سوار

چار دیوارِ عناصرِ نسبتِ غیر از چار موج گشت سیلابِ شرکم در جهان آشکار
 نیست میلِ سرکشی مارا بسانِ گرد باد خویش را چون نقشِ پاکِ کریمِ فزینِ بگذار
 بسکه کوتاهست دست از دامنِ دولتِ مرا جامه بپوشیدم فالوس وار
 هر کجا فرست کرد و بهلِ خود غنی
 سرب پایِ نخلِ آخرِ میگذاردِ برگِ بار

در مزارِ خشک زاهدی که ایول کرد کار بر مزار او سر زد گنبدِ تَبِجِ کو کنار
 خانه ام را عاقبتِ گردید بام و در یک بسکه همچون مور گشتم پایمالِ روزگار
 عشق افزون میشود چون محسنِ میگردد زیاد تا تو چار ابرو شدی چشم ز شوقت گشت چار
 روز خوش در زندگی هرگز نصیبِ مانند عمر در ماتم بسر بردیم چون شمعِ مزار
 عاقبتِ سرکش بدستِ چو خود گس کرد آید شعله آتش کزد کوتاه آخر دستِ غار
 گر چه پیش چو زده از دمِ سرتابی من هست پشتِ پردلا از من قوی در کارزار
 درد مانِ ما گره گردید چون دندانِ غنی
 دانه گزند نصیبِ باز گشت روزگار
 از مالدار کیسه خالیست یادگار گوید بگو شتم این سخن پست کزده مار

۱۰ خویشتن (بیج) ۱۱ بسکه زاهد خشک در زاهد چو ایول کرد کار (دلا) (دبیج) (و دب لا)
 ۱۲ هر زنگی (دک) زندگی (بیج) ۱۳ چو دندان عاقبت شد درد مانِ ما گره (بیج) ۱۴ مار (بیج) +

تلخ هست عیشِ پسته در شکِ مان بار
 خود را از آنچه هست نماید زیاده تر
 چوں من کسے باغِ جہاں تلخ کام نیست
 ارضِ عقیقِ پیریت مرا تکیه بر عصا
 زلفت ز کرد کلفت مابید ماغ نیست
 هر چند شد لبم چو لب جو ز شرف تر
 این زهرشده را بنود پیچ اعتبار
 چوں چشمِ احوال نکه من میشود و چار
 پیمانہ ام ز زهرشده پُر چو کو کنار
 گردم مهنوز هرزه چو طفلان فی ہوار
 بشد عیبرِ سپین مار از غبار
 ہستم مهنوز تشنہ اشعار آیدار

بہ مجلسے کہ بود بادہ از لبِ دلدار
 دہد چو بنگی رو مباحش در آزار
 رہود دل ز من و شد رقیب از بن بیدل
 کند شکستہ زبانی خود بیاں طوطی
 گلے نچید ازین باغ جز تہیدستی
 گماں برد کہ شرابے ز نشینہ رخت نجاک
 می دو آتش باشد بجای آبِ خمار
 ز بند ما بود انگشت را کشایش کار
 چہ خوش بود کہ بر آید بیک کرشمہ دو کار
 بہ پیش کلک من از تخته بندگی منہار
 کسے کہ تکیہ کند بر دم بسان چنار
 کند نگہ بگل و سرو ہر کہ در گلزار

شدی گر لاف جو ہر زد ندارد اعتبار
 ہرچو شمشیر کے کہ میارند از چوب چنار

در فراقت زندگانی بسکه برنگشت بار تیغ دایم بر سر خود میکشتم چوں کوهسار
 بسکه بار و بر خصرم نواک از این تیغ شد زره بر پیکر او عاقبت چوں آتشبار
 نیستم بیکار گاهی دست و پای منبم یا بفرق روزگار و دست و دامان یار

تن برون نه غنی چوں قاننت گردیدم

بهر این خاتم نگین نیست جز رنگ فرار

نیست موج جوی شیر از رنگ خارا آشکار کو کهن را شد سفید از گریه چشم انتظار
 موسم گل میرود تا چشم بر هم مبنی همچو نرگس جامه ناب بر سر مکش در نو بهار
 عاقبت چشم نرم از گریه خواهد شد خراب خانه و بران میشود چوں طفل باشد خانه دار
 حُرّ ذاتی را غنی بیه نباشد از زوال که بشود آب بحر از پنجه مر جان گنار

چشمش سفید شد بره انتظار دست حرفیت اینکه کو کهن آورد جوی شیر
 از بسکه نیست مادر ایام سینه صفت شد موی ما سفید و ندیدیم روی شیر
 خواهد غنی سفیدی چشم ترا نشک باشد همیشه در دل طفل آرزوی شیر

پنبه مینای می را مرهم کافور گیر مهره مار آرزو داری ز تاک انگور گیر

له سفید دمک، له حُرّ ذاتی را نباشد هیچ بیه از زوال دمک، و له در دلا، مقطع باشد -
 سه همت دمک، له مراغت (لا) و (بلا) +

ایکے خواہی زنہ در ملک سلجاں افگنی در زمین خاکساری خانہ چوں مورگیر

رقم ناکرد و صف روی آن حور
قلم چون شمع شد فواره نوز
بیاد طره مشکینت اے حور
پیرد چشم سفیدم همچو کافور

کاسه خود میکند هر کس بآب دانه پُر
دانه چلی از هر گشتن دست از جان سست

مردم چشم مرا از اشک شد بهمانه پُر
شد صدف را آخر از آب گهر بهمانه پُر

معلوم شد ز جنبش منضم که یک نفس
در دست اختیار نباشد عنان عمر

هر دم بر یک شیشه ساعت نگاه کن
غافل مباش از سفر کاروان عمر

در طلب بوی نواز گلزار آبله پای است ز شبنم بهار

یارِ میناں ز نظر گشت چو شد دیدہ سجدہ مانع پر تو خورشید شد این کاغذ گیر

باش چوں کاسه گل تشنه لب بچشمه شدن رنگ خامی نرود تا زخمت آب مخور

روایف زاء معجمه

من نمیگویم که از امساک ببرد خاک بیز خاک را بر دار از زبر بر سر امساک بیز
نوشه را هست بمنزل پیشتر از خود فرست هر کجا مورے به بینی دانه بر خاک بیز
گر کند استنادگی ایر بهار لے باغبان آردی می پرستان را بپای تاک بیز

گفتم که شود از گل وصلت چمن سبز گل که در خط از لعل نو و شد سختم سبز
وصف خط سبز تو مرا در زبان است چوں بسته عجب نیست شود گر دهم سبز

گر چه پیکان خدنگ تو ز خوم بگذشت تشنه خون من است آن لیس فار مهنوز

در پای نهالے چو مرا مست بگیري چوں خوشه امرا محنت از تاک میاویز

غنی چو سایه مرغ پرده دره شوق اگر بجان بیفتم نیفتم از پرواز

له نرود دم که ، له زبرد دل ، زرد دل ، له را و محبت دل ، له در دل ، و دل ، له
بیزر دل ، و دل ، له در وصف خط آن حور و در زبان ، دل ، و وصف خط آن حور و دل ، له لبان ، دل ، +

دادیم تن بسوختن اما بسان شمع در بزم دوست گرم نکردیم جا هنوز

از نیم احسان کس دست طلب از یکن آبرو خواهی بنان خشک چون آئینه ساز

نگفته ایم غزل در زمین طرح رفیع که میشود سخن مادرین ز پیش کم سبز

روایف بین مہملہ

بسکه تو ام ز ضعف تن قدم زد پیش و پس سیر پای من درون کوچه کفش است و پس
گر چنین از سنگ طفلان رخنه یافت درو آشیان بلبل ما میشود آخر نفس
در بیابان تو گل تو شد در کار نیست زاد این ره دانه دل بس بود همچو جرس
بچه خود برد آں مهر طلعت بسکه بود آخر از پیشانی مہ ماند ابرو و پس
میرسد روزی بہر کس ز خوبہت ز غیب کے بدم عنکبوت افتد شکارے جز بگس
آتش تا در چمن بستیم سرگرداں شدیم ماگر کردیم جمع از گرد باد این خار و خس
غفل گرداری کن کسب کمال از ناقص کے رسد آخر دماغت از شراب نیم رس

بود محتاج دو اسبہ انگار نفس شد بر طوطی ما مریم زنگار نفس

لہ پڑ (دک) لہ زمین (دک) طح (دک) و دب (د) لہ زخمہا دب (د) لہ آب روی
(دک) و دب (د) لہ اگر دب (د) +

نیست خطهای سیه بکبک مرا بر پر و بال او قفا هست بر و سایه دیوارِ قفس
سکه زن بر دم خویش ز دام لای طاوس میتوان گشت باین نقد خریدارِ قفس
بسکه آمد بشرش از همه جانب زنی تیر آشیان کرد بمنزله دل ماکارِ قفس

فتمت مازین گلستان خارج نمائست پس دست ما بر گل گریه گرچید و امانت پس
سر به پیش افکندن از شرم گنه خوش عیلت بهر ما گریه هست محراب گریه است و پس

منکه از روز ازل مستم گرفتارِ قفس در نظر محراب ما دارم ز دیوارِ قفس
بنیست در گلزار گیتی رنگ آزادی که هست گل اسیر گلبن و بلبل گرفتارِ قفس

خی کشد پنهان و می پوشد کیود از فریب رنگش شهلا ترس

ردیف شین محبسه

دمم از خشم در گردش بنشد چشم جادویش که بیمار است و گردانند از پهلوی به پلوش
بصحرائ غنن باد صبا تا دم زدن از بویش برآمد ناف را مویر زبان ز وصف گیسویش
غزالان را بدم آرد ز مژگانهای گریخته مگر آتشی آهوی آهوی گیسویش

له رنگ (د ب ل) و دمک، سه پرستار (د ب ل) و د ل، گرفتار (د ب ل) و دمک، و دمک، سه زانو و سه
دمک، سه خون و د ل و د ب ل +

دارد بزمِ مثالِ جامِ شراب گردش
تا بحیرِ فنادم چون نقشِ پادشاه
خوابی که سخته گردی منشینِ غنی بیکجا
ز ایندیشاید اینجا از بیم آب گردش
پایم ندید دیگر هرگز خواب گردش
کز خامیت برآرد همچون کباب گردش

منکه کردم قدم از سر بره آن مهبوش
ایچونش آندم که اسیران همه آزاد شوند
نوز کم میبد از روغن ناصاف چراغ
هست از داغ جنوغم بنه پاش

بهر خدمت پیش از باب سخن آگاه باش
گر نه وی وصل منزل گسل از پس نه ماندگان
نفس خود را چون قلم نشان خود اتاده باش
در طریق همی پیلوشین جاده باش
زیر پای اهل دل فاده چون سجاده باش
گر بر وی آب فتن آرزو داری غنی

هر که هست از خط سبز تو سواد نظرش
خط یافت رگ اصل بود در نظرش
دل مُسک طپد از موسه چون مرغِ قفس
زده بهینه فولاد بود گرچه زرشه

له ینا به (ب) و (د) که، سه بیکه (د) که، و (د) بی یکه و مانند گن (ب) و (د) که، در (د) که، این
غزل را بل قطع ذیل نیز است به ناله و رو قناعت بود آنکه در حقش گنم نقل به گن بشید بشیر
و در دلمش نهاده برین بیشتر تنه ای زیاد درین خردیای زلفی دل نقل شده است +

پس ز آب دیده گریاں بوی خوش
یعنی مرزبانی بلب جو آبروی خوش
هرگز نمی زکاسه خالی نمی خوریم
ز کس صفت ندیم گره برگلوی خوش

چون قبله نما خضر ره اهل جہاں باش
سگشت نه خود را ہنمائی دگر اں باش
در راه فنا حاجت ہمراہ دگر نیست
چون شمع پس قافلہ اشک روان باش

ز خواب ناز نتواند می بیدار شد چشمش
مگر با سرمہ بخت سیاہم بایر شد چشمش
سرای چشمہ آئینہ میگیرد نگاہ او
ز سوزہ عشق کوئی نشہ دیدار شد چشمش

دمی از خانہ مایل نگذارد قدم بیرون
مگر خار سردیوار ماست در سبز دپاش
نماید در نظر ما سرو همچون نشیئہ خالی
ز بس قالب تہی کرد از شکوہ سخن بالاش

از شک دمان تنگ یار است
خانم پیوستہ خانہ بردوش
عافل دادیم دل بدست
مارا یاد و ترا فراموش

کسے کہ عشق بود روزِ اول اتادش کتاب صرف ہوا بے ت کا غذا بدش

راز کس ای صاحبِ سینش مکن نہ ہمارا فاش صد زبان گر باشدت چون مرد کا خاموش باش

بسکہ بچوں آیا می نالم از بیدار خویش میکشم در گوش خود انگشت از بیدار خویش

در خواب رو در گریختے چشم کنویش ناز از غرقِ فتنہ زندآب برویش

ز ہمار مکن تکیہ برا فتادین کسرش افتادین کسرش بود فتادین آتش

از ان در دبیر ہا طاق می بنیم دوا برویش کہ از پیوستگی گشتہ یکے با ہم دوا برویش

سعی روزی بر بنیاد مرا از جای خویش آبر و چون شمع میسیریم دلے دیباغی خویش

چند خون دل توان خوردن دستِ نفس خویش سنگ بستم بر شکم بہر شکستِ نفس خویش

راہِ خویش (دبا)، شہ در (بج)، در (ب)، جز و غزل اول ردیف شین مجرہ ہست، ولے در (ا)، در صغیر دیانت
چرا کہ ردیف این شعر 'دوا برویش' می باشد +

ز بیم آنکه مباد اصابند شود بنگ سرمه شکستیم آگینه خویش

سفر چگونه گزینم ز آستانه خویش که همچو مردم چشم بقیانه خویش

سوخته دل که دارم از گریه کم نگردد چون شمع آب چشم باشد غذای آتش

کس بعد مرگ گریه بحالم نمیکند در زندگی پوشش بگریم بحال خویش

بود کج بحث چون حرف غلط بر صفحه مجلس سخنزدگر بخریک زبان بردار از تمعیش

کجا کرد و میسر نخت دیدار چشپی را که مژگانها بهم چسپیده از شرمی خویش

کماں چون پیش ابرویش بدویشی زان بخنن تکی کرد آنچنان قلاب که آوردند بر دوشش

له این شعر در پیچ یک از نسخه های دیوان غنی دیده میشود. اما در میان بعضی از دوستان ذکر سلیم یعنی منسوب شده است.
 ۳ گریه بعد مرگ (ب د) ۳ کماں پیشین دو ابرویش الم (د م ک) *

پیر کا ہے بگذا ریم پروان پر غولیش
پیر داز شوق گرفتاری ما دیدہ دم

غبارِ صحنِ این بتا نساز بسکہ رنگین است
شبیهِ خامه موئے مُصَوِّگشت جار ویش

اندیشہ گرز تنگی گورت بود غنی
گنج از زمین بر آرد بد ماند گال بہ بخش

ازاں روشکل ناخن یافت ابرو
کہ بکشد اید گرہ از جہۂ خویش

تا کہ آن نازک بدن را تنگ در می کشد
روزِ محشر دست ما و دامن پیرامنش

ردیف طایِ مطبقہ

زدمیداد رخسارش نشان ناسادہ بود از خط
کنون خورشید را ماند کہ حسن او فرو از خط

ردیف عینِ مہملہ

چہرہ گرد گرد شے با عارض رخسارِ شمع
انگداز اشک نہ امن صد گرہ در کارِ شمع
چشمِ دلسوزی نمی باید ز دشمن داشتن
آستین کے پاک سازد اشک از رخسارِ شمع
در شبِ صلت چو خوابد بر زم را روشن کند
پنبہ صبح آورد گرد وں برای تارِ شمع

روایف عین معجمه

روشن زمین جهان من از بخت نیره داغ که سایه چراغ شود محو از چراغ

هر جا بود روشن دل باشد ز بخت نیره داغ تا بر کئی پای چراغ زائل نگردد از چراغ

بزمی بهیمن محو ز بهر صفای داغ روغن اگر صاف نیست نیره فروزد چراغ

روایف فا

بسکه پستی و بلندی شد ز شعرم بر طرف میشود هر مصرعم بامصرع دیگر طرف
روگشتی باز یزدتال باعث ترسند گشت آبرو یزد چو گوشت نشسته با سر طرف
آنرا از به جوهری خواهر پسر انداختن گوشتو آینه هر دم با رخ دلبطرف
عزته دایم در شهر خوب که راه دور سنگ می آید با استقبال ما از هر طرف
سوز عشق ما ز حرف سرد ناصح کم نشد گرمی آتش نمبگردد ز سربا بر طرف
نیک بد را امتیازی نیست در باز در میشود در هر تر از و سنگ با گوهر طرف

ساده لوحان را نباید ترسیت کردن غنی

گشت چون آینه روشن شد بر ونگ طرف

له در ذاک، این شعر هم افزوده اند سه فیض به بهار بنم بود کنند. بوی گل چراغ مرا کرد وید داغ - و لای شوق با درین نسخه
صدایف دال آورده شد سه سرگشتی (دک)، سه با به (دک)، و (دک) +

روایف قاف

چشم سفید با ست نمکدانِ خوانِ عشق بے مانک چشتی نکتہ میجانِ عشق
از موی پیکرم گرو سرکش دہشت گردم ہلاک ناخن تیز سنانِ عشق

ہر شکارِ دل شیراں بود پیشہ عشق کز پرنیر بود برگِ نئے پیشہ عشق

فجائے بسانِ قفلِ ندید تا غنی بر سخاست از درِ خلق

تباہ رویِ آں دگر گشت از نظرِ غلب پیوستہ پردِ چشمِ چوں قبلہ از شوق

از بلندی نبود مرتبہ پستی پست کارِ دیوار کند گردِ گلستاں خندق

لحنتِ جگر بدیدہ ام از خطِ گریہ است چوں آب نیست تشہ نہد در دہنِ عقین

روایف کاف تازی

چوں نگینی کہ بکشد شود از رگِ خالی کرد از عیب مرا سر ز نشِ باریاں پاک

۱۔ ہمت (دک)، ۲۔ نیست (دک)، ۳۔

خاکسازان مدد از عالم بالا یابند گردا میگردان روی زمین باران پاک

هرگز سخن زاید دل مرده نگویم ترسم که لیم، همچو لب گور شود خشک
زاید برو از باغ که چوں مهر و نسیم از چشم بدت دانه انگور شود خشک

در غبار تن نیاید کس شال از جان پاک آب تا بیرون نیاید از میان برد خاک

شبنم ناله مرغ چمن مگر در خاک که میدد ز تیره خاک گل گریبان چاک

بود کلبه در رزق پارسا مویک کجا دست دهد همچو آبیاموایک

بلبل برداشت آشیای را گل گفت که خس کم و جهاں پاک

ردیف کاف فارسی

بار بیت گران بر رخ از ضعف بدن رنگ ای کاش پرد زود ز رخساره من رنگ
نیز شرم که شد شسته گفارش ز سر شرم افتاد بیابیت چو پرید از رخ من رنگ

له بود دمک، له با زلال و دبا، سه غفارین دبا، +

تا آن غزال گرم ز پیشم گذشته است
مویز تخم فقیله داغست چوں پلنگ
گردون ز طاق بندی تو بر قزح گذشت
تا خانه کمان ترا ریختند رنگ

آزار جان حیات دهد بیشتر ز مرگ
تا هست زندگی نکم شکوه سر ز مرگ

نیست عینک که نهادیم ز پیری بر چشم
نگه از شوق جال تو زند سر بر سنگ

دوای مردم اما علاج خود نمیدهم
چو باد احمی که سر از خشک مخزی میزند پلنگ

ردیف لام

ببین گل تن گل عارض گل لب دلدار گل
باغبان صنع بسته دشته زین چار گل
عزم گلشن گر کنی نرفته در صحن چمن
سر بر آرد بهر دیدار توان دیوار گل
بیکر ساقی سراپا گوئی از گل ساختند
دست گل پاگل بدن گل چهره گل ز سار گل

گر نیاید دوازدهم اشک بلبل
مینماید چو رگ لعل خشکی رگ گل

له در دب و مصرع های اول و دوم نیست و مصرع های دوم و چهارم را بصورت یک مطلع آورده شده است
مویز تخم فقیله داغست چوں پلنگ تا خانه کمان ترا ریختند رنگ +

شده از خوردن پایش زیاں لعل لبش لعل و دهن سوراخ آن لعل

سرود فصل خزاں ماند بحال رستی را بنود بیم زوال

نیست شهرت طلب آنکس که کمال دارد هرگز انگشت نمابر نباشد چو بال

فی جای رون فتی فی پای بر دل شد در ماندن دایره هم، سپو جلا جل

دلیف میم

یار در نرم آمد و ما از جبار خاستیم چون انگش تا نقش ما بنشت ما بر خاستیم
دست میبایست نشست از آبروی خشتن ما ز خوان اهل دولت نا شا بر خاستیم
بار ما با سایه خجیم خود را در وفار اوز نمکس بر نهیشتنشت و ما بر خاستیم
بقراریها تماشا کن که مانند سپند گرم تا در نرم او کردیم جابر خاستیم
کس نمی خطیم ما از اهل مجلس بر سخت بهر بایس عزت آخر خود ز جابر خاستیم
نیست ما را قوت بے تکیه اتان غنی نقش دیواریم همچو سایه تا بر خاستیم

له در (د)، له پیش (د)، له بقراری (د) +

نہ دارِ آخرت نے دارِ دنیا در نظر دارم ز عشقت کار چوں منصور بادارِ دگر دارم
 در دیوار و اگر دست چشمے در تماشا است منم کز رویِ حسنِ چشمِ بدیوار و در دارم
 غبارِ خاطرِ م از ایلِ عالم جمع شد چندان کہ میخو اہم بہ پیشِ رویِ خود دیوارِ بدارم
 ز شوقِ ہرزہ گردی بچو رگِ شیشہٴ حسرت بمنزلِ ناہنام پایِ اندازِ سفر دارم
 غنی بگرنگیِ معشوق و عاشق دیدنی دارد
 گناہے بر پرِ طوطی و برگِ نیشکر دارم

سرِ بچو تارِ سجدہ در کشیدہ ام آخر رسیدہ ام بخود دارِ میدہ ام
 در عالمِ مثالِ مثالِ نبودہ است ہر چند کز درِ چہ آئینہ دیدہ ام
 ہر کن کشیدہ اندویِ خویش در کنار من دستِ خویش در بغلِ خود کشیدہ ام
 بالا گرفت کارِ من از آہِ آتشیں از نالہ چوں سپند بجائے رسیدہ ام
 فارغِ نیم نہ ہرزہ دویِ بچو آسیا بیہودہ پایِ خویش بدامن کشیدہ ام

نشانِ ہرزہ گردی ظاہر است از طرزِ رقام بود گشتگی پیدا ز نقشِ پا چو پرگارم
 میزانِ دستِ این مشکلکشایں دلِ تنگ آمد ز ناخنِ ناگرہ چوں غنچہ افتادست در کام

دل سوراخ از دینت فلک دارم که چون روزگار
 زین درجه و جزوم نقش ابروی تو جادارد
 زپایم رشته چوں سرزد کند تلافی فدا م
 نشود دقوس قنص هرگز پر درنگی ز رخام
 دهد تا آن تغافل پیشه را یاد از تن زارم
 شکست افتاد تا از بس تی طالع ببارم
 بکار نیشکر صد عقده انگد دست منقاد
 صدای گریه ابر بهاری کرد معلوم
 غنی از گلشن گیتی با نگر میز مخم پهلو

که از سوز درون خاکتری شد زنگی رخام

ز سودا حرف مردم گوش کردن شد فراموشم
 ز خشکی مغز سرگردید آخر پنبه در گوشم
 شوم هر بان تن در جامه از شادی نمی گفتم
 اگر بکینب دهل ماه بیکرتن در آغوشم
 نیم شبم که سازم بالمش خود غنچه گل را
 چو بلبل وقت خفتن تکیه کاه خود بودم
 چنان پرورد و تجریدم بدایان تن آسانی
 که میگردد کبود از کسوت غار ابرودم

در سفر هم غم و وطن است گل با خار چیده را مانم
 خنده ام در کین پرواز است بک شهباز دیده را مانم

له سوز و دبا، له بندی با دکانداری (دک)، له گفتارم دبا، له فراخوشی (دک)، له سر
 (دبا)، له جهان (دک)، له رنگین من (دک)، خنده ام (دبا) +

ریختِ خونم برنگِ آبِ سپهر رگِ تاکِ بریده را مانم
بے تو بر فریش گل ز بنیابی مرغِ درخونِ طپیده را مانم

تنگِ تارِ کیست همچونِ نغمه فی خانه ام رخنه دلو را بشد روزنِ کاشانه ام
من درین ره انتظار دشمن خود میبرم تانه بید سئل را نه نشیند از پاخانه ام
در ترو خشک جهان چوں سحر و صهبای غنی هیچکس با هم نه بیند جمع آبِ دانه ام
شمعِ رویِ گلرخِ برده است از هوشم غنی روز بال بلبل و در شب پر پروانه ام

به بنیم در دمنداں زار تا لیدنِ هوس دارم چوئے خواهم که در فریاد باشم تا نفس دارم
بگلزارِ محبتِ آشیالِ بستم نمانا کن چمنِ پراشش و من نکیه بر یک مشتِ خشن دارم
فغانِ دلِ بگوش از سینه صد چاک می آید تو پذیری که نالانِ غنای لبی در نفس دارم

مهر خاموشی لبش تا بود عیشت بکام بے زبانی پسته را در خنده میبارد دم
پایِ من یک لحظه جا در گوشه دامن نکرد گشتِ عمرم در سفر چوین رشته سوزن تمام
خاکسار از بلایِ آسمانی پنهان اند ماهی زینِ زبیر را کس نمی آرد بدام

له کشم (بم) له میل (دک) له جا (بم) له این مقطع فقط در (بم) دیده میشود
تو (دک) له گیرد (بم) +

چون طفل اشک گر چه بمرم نشسته ام
 خواندم تمام صفحه گیتی چو آفتاب
 خاتم لبر که داخل آدم نگشته ام
 بهوده در قلمرو عالم نگشته ام
 دایم جوایم از مدد همت بلند
 یعنی ز بار منت کس خم نگشته ام

بکج بینوائی طالع سامان کج ادا ام
 تصرف آنچنان کردم دیار خاکسای
 که بیم خانه ویرانی ز موج بوریا دارم
 که در هر گداز صد جانش از نقش پا دارم
 چنان ز راه من شوق خرام یک رفتی
 که چو خلخال دیم گوش بر آواز پا دارم

بکیم تنگ در آغوش تا آن خرم گل را
 همانا از گل بیت الحزن کردند تعمیر
 نمی آساید آغوشم نمی آید سجادستم
 ز حسن بے نیازی پنجه میزد باید رضا
 که هرگز چو سبواز سر میگرد جدا دستم
 بچشم خلق گردید از طمع چون از دما دستم

هر خسته تیغ بود از نا توانی برتم
 میتوانی چه شد با من چو عکس آئینه
 گر نیاید با ویت انداز خس بر گردم
 گر گذرنگ پیریدۀ تکیه بر ضعف تنم

له آرم (مک) ۳ در دب (ک) ۳ این سه یکی در (بح) یعنی منسوب است ۳ باشد (مک) ۳ شرف
 (دب) ۳ ۳ مامن (دب) ۳ +

شکایتی بزمِ بالِ نیست در شبِ تارم
چو شمع در شبِ تارست روزِ بازدم
زبکه تشنه لبِ نهنِ ظاهرم دارد
زبانِ سوخته مر دمک در آرام

چند در موسمِ سراسر از سنگِ کُشم
گر دهد دستِ زمینِ می گلِ رنگِ کُشم
رشته شد تن من از توحیدِ که باشد
که چو گلِ سسته ترا در برِ غوغا رنگِ کُشم

بپای خمِ قدامِ جامِ تا افتاد دستم
شکستم شیشه انگورِ چو میگردیدم
درین دریا غنی همچو جابِ خشکی طالع
ز دمِ بر آبِ هر که دست خود پُر باد دستم

در گلشنِ تماشا آرامِ دلِ ندیدیم
ماغیرِ دامنِ خودِ برگِ گلِ پنجدیم
چون میشویم دایم بے بهره از تماشا
فصلِ چهار بگذشت و قتی که مارِ سیدیم

هر چپ که در کوچه تیز ویرد دیدیم
چون مهره تبیج بجای ز سیدیم
ماستیم سرافرازِ چو خارِ سرِ دیوار
از بسکه درین باغِ بیائے تخلیم

له سوخته (ب) لے گر زغم دست بینا (ب) لے تا (ب) لے به بر باد (ب) لے این دویی
فقط در (ب) لے دیده میتود +

مَی از فراق تو خونیت مرده در کامم صدای نوحه بگوش آید از لب جام
بسانِ نقشِ یگانه که جا کند بر موم ز دم چو بر در پستی بلند شد تا دم

ز بيش ميتواند نغمه گرفت دتم در حیرتم که آخر چوں نغمه گرفت دتم
بر روی خود الفها دانی چرا کشت از بهر مردن خوں مانم گرفت دتم

برگرد تو میگردد و از خود خبر نیست شمع تو من صورت فالوس خیالم
چون شمع دین باغ پنجم گل عیش تا برگ بر آورد غنی سوخت نهالم

در راه قاصدیت همراه در گشت چو شمع پے قافله اشک روانم
در گوش تو لای شمع چو کم که ز جبریت چو رشته گوه شده خاموش ز بانم

حرف بیدردی من کردم بهر رقیب کشته زخم زبان قلم بار شدم
حسن سبزی بخیط سبز مرا کرد ایسر دم هم رنگ رنیں بود گرفتار شدم

له گردیدم (د)، (د) (د)، (د) خبرے (د)، (د) (د)، (د) شمع (د)، (د) از (د)، (د) مراد (د)،
له شمع (د)، (د) خود (د)، (د) +

فیض از بگوانہ میجویم نے از آشا
بے محابای نہد لب بر لب مینوش او

چون صدف در بحر آب از جانی بیکر میجویم
گر بدست مایفتد خون ساغر میجویم

آسودگی بگوئند ہستی ندیدہ ایم
چوں شمع بود منزل مار بر پایی ما

جان دادہ ایم و کیخ مزارے خریدہ ایم
از پانشتہ ایم و بمنزل رسیدہ ایم

چوں نیت بحر خانہ مرا بیچ منت
در خواب من از شور حوادث خلعت

عصیم نتوان کرد اگر خانہ بدوشم
تا گشت پر از پنبہ غنی تکبہ گو شتم

بہم شد از گردین خانہ ز نور بے علت
بہریم نکنہ سبحان سرخروئی از سخن دلم

دریں ز نور خانہ شہد باشد جان شیرینم
پر در گم اگر دزدے برد مضمون رنگینم

چوں شمع شب بگریہ و آہ نشستہ ایم

وقت سحر بر وزیادہ نشستہ ایم

منکہ پس ماندم براہ از دوشنداران سوختم چون نفس از گری رفتار یاران سوختم

یار نخل سرکش و ما خاکساران ریشیم از در انداز ترقی ما تنزل پیشه ایم

نازید سپهر جا دارم ناله چون آب آسپا دارم

بدام افندم و اشک از شکست بال میریم و لے سودے تمام آب در خیال میریم

می خون جگر نرم کند سوراخ پیلیم بگردان چون کباب ایضا طرب دل هریم

بسوز عشق بیکرم بود افسردگی مرگم بسان شمع بے آتش کجا باشد سردی مرگم

نیستم گردوں و لے دارند مردم کینیم هست چشم عالمی روشن ز دایع سببیم

تاسفیدی را از روی ناله خود برده ایم در سیه کاری عجب روزی منت آفیده ایم

ہمیشہ دل بہت از بہر بارِ دل شکن ^۱م
 ندارد در جهان کس این دل دستان ^۲م
 کردہ ز جہاں شغل سخن گوشہ گزینم
 تا خامہ مسافر شدہ من خانہ نشینم
 مے دد صبح بیا بادہ سر انجام کنیم
 سبھ چون پیر فلک در گردِ جام کنیم
 در چمن تا عہدِ بکرتگی بہ بلبل بستیم
 دست گلچیں را بجای دشت گل بستیم
 تاز بزم وصالِ او دوم
 زندہ ام لیک زندہ در گورم
 نادریں گلشن چو تاک از می پرستی ^۳م
 سبھ صد دانہ را از بہر می برستی ^۴م
 شے بچلین آن مہ چو شمع جا کردم
 گلیم بخت سبھ را بہریر پا کردم

چشم تا و کرده ام بر خاک غم افتاده ام بچو طفل اشک در ایام ماتم زاده ام

دُرِ کفّارِ ناصح را بخوبی تا نگه دارم بدرج گوشِ اوّل بنه خواهم که بگذارم

ز دراز دستِ حُسنِ شبِ روزِ افروزم بزین رسیده زلفت ز فلک گذشت آیم

چو دیدیم قامتش از پا فدام بکنِ حسی که از بالا فدام

ز دِ مگاه از نیزه گشته نیتان قلم بچو شیرِ میشه آید در نظر شیرِ علم

نزد بیدوست ز بنورِ نگه صدیش بر چشم بود مارِ عیارِ آلوده میلِ سرِ مشم

پس از گشتن وجودِ بخشدانِ مهرِ افروزم بود روزِ قیامت در جہاں چون سایه هر دم

ندارد آبِ رنگی بتوروی باغ در چشم نماید لاله همچون آشیانِ زاغ در چشم

دیرپری انتخاب گُتِ نیت با چشم
عینک بود کنون و برق انتخاب چشم

نریخ زندگانی دیده انداز بکینیم
بدار کشته اند آخر طیبیان همچو سیاهیم

باز تا قل چنین بشد اگر همراهیم
سفر ملک عدم را ز خدا میخواهیم

نمیکه گوش پر از پنبه غفلت کردم
چشم پوشیدم و خوابی بغرغت کردم

شد داغ جنون تازه ز ترتیب داعم
از روغن بادام برافروخت چراغم

مراجعت است ابای تعلق لیک از اوم
سراپا پنجه ام چون سرو، دامان نمیگرم

پوشتم نامه بر بال کبوتر بسته شد پایش
نوگوئی حلقه دام است نقش مهر مکتوم

چشم خوابان از غبارِ خاطرِ مار و شن است در سیه بختی شریکِ سرمه‌دان افتاده‌ام

من نه از زخمِ زبانِ دگراں دلمِ لیتم در فغاںِ چو قلم از زخمِ زبانِ خویشتم

جلوهٔ حُسنِ نو آورد مرا بر سرِ فکر تو خوابستی و من معنی رنگین بستم

از فکر تا سخن نشود قابلِ رقم هفتِ خامه سر ز گریبانِ منی کشم

بر لب چو آستین زده ام بجهتِ سکوت انگشت گریزی بلم و امنی نشود

ترسم که شود آبله پائے فغاں را این گریه شو قی که گره بند بگلیم

مرا ز کس نبود چشمِ التفاتِ غنی ز پشتِ آینه پدایتِ صورتِ حالم

از کس نه پناهی بیندایم را ز خود چو شمع هر چه در دل هست مار از زبانِ منی گویم

له این شعر در (دک) یافته میشود اما در نسخه های (دو)، (دو)، (دب)، (دب) عبارت ذیل هم بر معنای
این شعر است "وقت نسیم برای زخم زبان نمود گفته" له شکل (دب)، له فغانها (دو)، (دب)، له شوخ (دک)،
له خوشن (دب)، +

مرا چو آینه تابِ فراق آن مه‌نشیت پیرید رنگِ درویم چو رفت از پیشم

نگردد وصفِ چشمت نسخه خواهد که بنویسد که نرگس را دواتِ خامه کاغذ کف دیدیم

جان بلب از ضعف نتواند رسید مابزور ناتوانی زنده ایم

کرد گل سوزِ درونم چو سپند آخر کار گشت فریادِ بلبِ دی نفس سوخته ام

ندارد تاب این دهم که پایِ ناکت گیرم زیاده افتم از شوق و سرایه تو میگیرم

سیر اندخت به پیش لبِ لعل تو نگین مابین حرفِ بهر همه محضر داریم

بجز این مجلسم نبود مرا تابِ جدلِ با کس اگر در پیش من دم میزنی خاموش میگیرم

موج فنا داد بخاتم ز قیدِ عشق مرزگان چشم دم بود خارِ ماہیم

ز شوخی پشت بر من کردی برویِ آم کنی بر جانبِ پایا درازان نیز بردام

نقش گنه ز اشکِ ندمت گشت محو کردم سفید چشم و سیاه است نامه ام

مگر ز خارِ مغیضان تغافل دیدست که چشم آبله پا پر آب می بینم

ریشنا سم چو مردم دیده گر چه از خانه بر منی آیم!

طلب از من چه کنی دیوان را که بیاض هست همه اشعارم

نماند از ضعف تن آخر بجز نامی من باقی یگونی می نماید گر نهند آئینه در چشم

بس که پر آست چون چشم تنم هر آبله رفته ام در گلِ فروهر جا که پا افتادم

له این شعر فقط «دج» و «دب» دیده میشود اما در «ب» این را بعضی جو نقل کرده اند (له گر «ب» +

گیسوی تو پوسته کند میل به پستی افکند برو سایه مگر بخت بیاهم

تپید رچو گرداب بود حشیم ترم باز خواب سبکی همچو جابست مرادم

بهین منت گوش گران خویشتم که تابند نگر دسخن نمی شنوم

هر چند شد تپید سبای و نیر مشق گنه هنوز چو اطفال میکنم

ندام طالع آزادی از بند قفس هرگز فند در قید بالش گر پیر میریزد ایل

جامه دیوانگی چون بر قد خود دوختم بنجه ما از خار پا بردامن صحرایم

در راه شوق تو هم چون تیر پریر آم تا که بر ند مردم همچون کماں بدوشم

داغ افلاس چو ماهی دارم خلق دانند که صاحبِ رمم

دیوار و در شکسته بود خانه مرا زنگش مگر ز رنگِ رخِ خویش رختم

ز مردم آنچه گرفتیم زود پس دادیم بنانِ خشک قناعت چو آیا کردیم

آب و رنگِ ما با عالم عاقبت گل میکند بر زمیں ہر چند چون برگِ خا افتادیم

چون میوه ایم در باغ بے ہرہ از تماشا فصلِ بہار بگذشت و قتیکہ ما رسیدیم

ہر نینبہ کہ بر سرِ داغِ ہند طبیب بردارم و فقیہ داغِ دگر کنم

گر تیغ بر سرم رسد از جانم روم لیکن چو کوه نالہ ز زخمِ زباں کنم

ماندم بروں ز مجلسِ بایان و آشنا آخر چو حلقہ بردہ بیگانگی زدم

دہنت دم تکلم سخن از عدم برآورد
چو نودر بہان کسے را سخن آفریں ندیدم

ز پیری رنجیت دندم ندادم تن بآید حق
بیازی آخر این تسبیح چوں اطفال گم کردم

گشت چوں رشتہ عمرم کوتاه
معنی سا لکڑہ فہمیدم

فرج بخش ہستی چندانکہ تا ساغر بکف ام
دہن از خندہ دارد باز چوں نرگس ہر گشتم

زبردست صراط زبردست آلودگی دارد
برین معنی دو رنگ شاہد از دو آسیا داریم

چہاں از دم عشق او پریدن تنگ میدہم
کہ رنگے گرد زخام پرد محبوب میگرم

اردیف نون

ہرگز شگفتگی نکند رو بسوی من
ز روی چو جام زہر دمی ز روی من
چون شمع کس نکرد شرم ز دیدہ پاک
ہر قطرہ اشک آبلہ شد بروی من

لہ بذر (دبا)، لہ این شعر فقط در (دبا)، یافتہ میشود +

از دیده رفت و تافره در آب دیده ام
تافرس درشته گوهرشان دهد
وقت است آب رفته در آید بجوی من
از بس که گریخت گره در گوی من
خه میبرد عتاب لب تند خوی من
باشد چو خامه گریه من گفتگوی من
و امیکند نگه در حیرت بروی من
گر بے تو دل بسیر چمن میکشد مرا

بسکه می پدید یار آن سرین چو آستین
دین شادی و غم امروز در دست من است
شد پراز چین عاقبت دامن زین چو آستین
خنده بلب دلم و چین چین چو آستین
هر که با ما میشود بپوشین چو آستین
که رسد پیام ز شادی بر زمین چو آستین
تا جدا از گوشه دامن بار افتاده است
عاقبت پر شد ز نقده داغ از اند او غیر
دست من بیکار شد در آستین چو آستین
گر چه خالی بود دستم پیش ازین چو آستین

شد سوار دامن از دستم کشید آن نازنین
رفتی و شد در هوای دیدن ای نازنین
رقم از خود بعد از دست فوج دامن زین
مردم چشم بتان از سرمه خاکستر نشین

له دهنن دب لی له گریه و گریه من دله، له برنجی دب، له قالی دب، له
ما دله، له من دب، +

بانو نزدیکم دے دوم ز فیض عام تو
 میشود چون دانه آخر سبز در باغ جہاں
 زخم دندان بسکه خورد از حسرت لعل لبیک
 خرمم چون آشیان بیکشت غاشا کستیں
 میکنم ہر گاہ از جاناں نگاہے التماس
 اعتبار نیست فطرت یکدو ساعت پیش نیست
 موم در زیر نگین غلی است از نقش نگین
 بنست غم گر آسمان زد حرف طار بر زمین
 پشت دستم را کسے نسا ساز روی نگین
 دانه نبود درو بخند تخم مرغ دانه چین
 عہ ہند پر دیدہ انگشت التماس را بین
 گرد و آخر تہ نشیں در دے کہ شد بالایش

شب کہ ختر شمر دنا بہ سحر دیدہ من
 لشکر ضعیف بصر تاخت مگر بر سر او
 مژہ ہر لحظہ ہم بر نغم چون مردم
 بسکہ بر یاد بنا گوش تو بگرے ام
 ہست در خواب خوش منی غفلت شب و
 نا نگاہ را بنگاہ تو نماید پیوند
 کار انگشت کند ہر مژہ پر دیدہ من
 کہ ز عینک بکف آورد سپر دیدہ من
 در فراق تو زند دست پر دیدہ من
 خشک گردید چو سوراخ گہر دیدہ من
 مژہ را بالیش پر دیدہ مگر دیدہ من
 کرداد ہر دو جہاں قطع نظر دیدہ من

خلوتے در انجمن دایم کہ چون موی میان در میانم لیک از من کس بنی باید نشان

- لعل لبیک آداب، لعل خوشہ دبا، لعل بلا شد دمک، لعل خوش از منی دلا، ددچ، و دبا،
 خوش منی دمک، لعل از مژہ یافت گری بالیش پر دیدہ من دمک، +

بسکه جز گرد کسادی نیست مارا در دوکان
میدهد از نشیبه ساعت دوکان مانشال
گر سخن از خود نداری بسکه پریدی مان
آبکے چوں خامه رانی حرف مردم بر زبان
جای خود چون مهره شطرنج خالی میکنم
دشمن ماگر شود در خانه مایههاں
موی چون از سر جدا گردد میگردد سفید
عیش غربت مرد را پیوسته میدارد جوان
سنبل زلف تو آخر پنجه از تشنہ برد
نشانه میگوید بگو شمع این سخن با صد زبان

میکند پیلوتی از بینوایان آسمان
در بل هرگز نگیزد تیر بے پر از کمان
جنت و جواز بهر روزی باعث شرمگینیت
زین خجالت آید انگشت دارد در دهاں
آبروی خویشتن در مطبخ دوناں مرنه
چوب نواں خود چوں آتش نیوی آواں
سوی ما باشد نگاهش گر چه یار از نگاشت
نیز از سوفا ردیم چشم دارد بر کماں
کامیاب از جام صلعت غیر من از شرک داغ
آب میگردد مراد دیده او را در دهاں
جمع کردم منت خاشاکه که سوزم خویش را
گل گمان دارد که بندم آستان در گلستان
دشمنش ناز و داز جان بگذرد در وقت جنگ
بست دشت پل بروی آب بیکان از کماں

باسکاران غنی پیوسته همراهی گزین

ره بسا حل میبرد کشتی بزور بادبان

له زمان (دک) کسوف از خود نداری ب پرید از تشنگو (د) ای (له می (د) که (د) و (د) ای (له آید (د) ای (له
برای (د) ای (له بجای (د) ای (له باغ (د) ای (د) و (د) ای (له در کشتن آستان (د) ای (د) و (د) ای (له دشمن (د) ای (له +

گر چراغِ حُسنِ او روشن شود در آنجن
در دمان انگشتِ شمع از شرم میگیرد لگن
که زند پهلوی من مجنون که در خاک جنون
سنگِ طفلان شد مرا چون آتخوان جزو بدن
از تافل حرف نانشید ما شرمند ایم
یار را انگشت در گوش هست ما را در دهن
گر فلک کار ترا بریم زند از جا مرو
جامه را حیاط سازد قطع بهر دوختن
در محبت عشقیارال میکنند ادا هم
سنگِ طفلان بهر محنون میتراند کوهن

خاک پیزی تا بکے چون شیشه ساعت غنی

نقد او فائے گم شد باز نتوان یافتن

کشا و کار خود نتوان طمع از آشنا کردن
کجا ناخن تواند بنداز انگشت واکردن
توانگر را نیز بلب خواهش آشنا کردن
که بے دست هتی پُریدنما باشد دعا کردن
باستقامت گذشتن از جهان آسان نمیشد
بود دشوار قطع راه دور از شین پاکردن
غریب بر بساط دهر همچون مهره شطرنج
برای خانه ناکه جنگ با همسایها کردن

اگر باشد غنی همچون کلیدم خانه از آهن

شود ویران اگر خواهیم در ویک لحظه خاکردن

چون شمع رسد گر سر سرکش بریدن
هرگز ندهدن بتوا ضلع زخمیدن
بلبل بادب باش کز افشادن بالنت
رنگ از رخ گل میکند آهنگ پریدن

بیتابی شو قم زده و اشود افزون چشم ز پیرگاه دهد داد پرین
شد بسته به پستان صد شیر که هرگز طفل هوس من ندهد تن به یکدن

مشهور شد از خامه بهر سخن من بهشت زیاهی گل شد سخن من
زیبید که به تسخیر جهان چشم کشاید دارد ز قلم قوت بازو سخن من
از فکر گر بپزده بود طبع روم رسا ز آئینه زانو سخن من
تا طبع مراد نظر آن چین چین است بگذشت از آن مصرع ابرو سخن من

از سختی زمانه لب شکوه و اکمن بر سنگ اگر چو سایه بهیمنی صدا کن
آخ ز دستگیر بجائے بنی رسی چون آسیا طواف بگرد عاصا کن
مکشایه بریم بوالهوسا بند جامه را بر خود زبان طعنه غبار و اکمن
شعرت بهیچ دل نرزد ناخن اے غنی بند از زبان خویش چو انگشت و اکمن

عاجز شد دست و تنم از پیش و کم گرفتن نرسد شکسته گردد آخر زخم گرفتن
از بس دوباروی من از در و سرگراند ساغر نمینو اتم از دست جم گرفتن

له مرگان دها و از دب له لب دب له دست دب له شک نیست دب له
بکشت دمک له خامه دب له که دمان دب له هم دمک +

از ضعف دست با من گیر ایے مانند است
 باشو ناکسارال از سیر باغ فارغ
 آخر چسپاں تو نم راه عدم گرفتار
 بر سبزہ کے تواند نقش قدم گرفتار

بیا ساقی شبنان مرا مشب منور کن
 گل بجای گلزار خوشی چیدنی دارد
 ز روزن تا بر آید آفتاب می بساز کن
 زبان گفتگو را بچو ناز ماں پس سر کن
 ز گرداب تعلق چند در کام نہنگ افق
 قلندر باش اگر خواہی بکشتی بسیر در کن
 غنی فصل بہار آید گل عیشے توان چین
 بروں آور چو نگرش ز خاک صرف ساغر کن

بیار و محسک از ہمیاں چو مرغ از بینه زریں
 پرید از باد تیغ بسکہ رنگ از چہرہ خرم
 ازین غافل کہ آرد ز رزق خج پر بیرون
 سفید آمد چو ہامی از تن من بشیر بیرون
 بسر برم غنی ہر چند عمر خود بمکتب ما
 بناور دم ز خط آن نوشتن خوش سر بیرون

در زمین طرح از ما سیر کرد کم سخن
 کہ تواند شد ز دنیا چشم دینا دار سیر
 حرف خود از ساوہ لوحی بر زمین نتوان کن
 تشنگی زایل نگردد ہرگز از آب دین
 چارہ سازان ہم ز در خود غنی بچارہ اند
 کہ تواند بجنہ زد سوزن بر خیم خوشین

۱۰۰ بر آید ز روزن دلاۃ ۱۰۱ این شعر در دو بیت ہم موجود است و ہذا مصرعہ ثانی بر خط و سیاحت ۱۰۲ بنا را بچو ناز ماں پس سر بیرون کن
 ۱۰۳ و آرد (مک)، ۱۰۴ شہر (مک)، ۱۰۵ شہر خاک (۱۰۶)، ۱۰۷ رویم (۱۰۸)، ۱۰۹ بکار خطین بچہ اند (۱۱۰) بکھ خود لیے بچہ ماند +

باربانِ حال گویشِ مع در سحر محفل
در دُسرِ بیار دارِ صاحبِ افسردن
بهر کشتِ زندگانی خواهد آخر ژاله شد
میخیزم صد حسرت از پیری و دندانِ کین
بچو سقفِ خانه فالوس از دو و چراغ
آسمان از دو و آوایِ مایه خواهد شدن

در خونِ بیهوده گری بود پیشه من
بید مجنونم و زنجیر بود ریشه من
بسکه دارد سرِ بونید نجمِ مایِ شراب
ریشه چوں سرود و اندرین شیشه من
خسته از ناخنِ بیداد سازم جگرے
خونِ لعل از رگِ خارا نکشد شیشه من

با سر بر پیکانِ جهانِ تانسته ام
آنگذره ام کلاه ز شادی بر آسمان
مردم سنا ز لب که شبِ عجب لبته اند
ماه نوست ناخنِ بے رنگ در جهان
یک میل در میاں ز ادبِ ابتاد هست
که میرسد بچشمِ بیاوه تو سر مه داں

به صبیاد از پر خود نامه خواهم فرستادن
ازین ره میتوان خود را بیاد تیر و دامن
چراغِ مستی ما از دمِ شمشیر میبرد
بیاد و امنی چوں شمع نتوانیم جان دادن

له این شعر در ضمن ذوقیت استاخر شده بود له سخن دمک، له مکند دمک، له بر دمک، و در بلام
له این شعر در ضمن ردیف دال هم دبع است اما ترتیب مصرع باعوض شده است +

چو مژگانهای خوش خیم غمی زیباست از رند
زمستی بر در میخانه بالایی هم افتادن

در چشم اهل بنیش آخر سبک درائی
گر چو جاب خواهی بر روی آب فتن
جائے که باده باشد گو محسوب نیاید
شب گردان زبید در آفتاب رفتن
جائے که نفع نبود اندیشه ضرر نیست
که از شراب باشد بیم در آب رفتن

چو بزم افروز صنیع خویش گرد قدرت بچون
بجراغ برق را در باد و باران میکند روشن
و مضمون ز روی باران نمیباشد غمی مارا
چنان بستیم مضمون را که نتواند کس بزن
بر او سخنجوی او قدم فهیده نه سالک
که موسی بے عصای راه نتوانست طی کردن
بزم نکتہ سخاوت سرخروئی از سخن دارم
پر درنگم چو دزدی معنی رنگین بردار من

هموار گردان فقر هر جا درشت نوعیت
نقش حصیر باشد بهتر از موج سوماں
دیدم که نکتہ سخاوت دزدند شعر مردم
من نیز شعر خود را دزدیدم از حرفیان
گشتیم زنده در گور از بس درین غم آباد
کردیم خاک بر سر در ماغم غرنیاں

۱. بر روی آب (۴۴)، و بکین "در آفتاب" (مطابق ۱۱)، و (ب)، است ۳ برای (ب)، ۳
در (۴۴)، ردیف میم ش اول این شعر است و در اینجا ترتیب مصرعها عوض شده است ۴

گر شوی قانع در رزق تو و نخواهش ^۱دن
 بر شکم سنگی که بندی آسپا خواهش ^۲دن
 گرانزد در نسیم آه گلچینان فصل ^۳
 غنچه گوی گریبان تو و خواهش ^۴دن

چو سر مه دان که گذارند میل در دهانش
 ز شعر من شده پوشیده فضل دانش من
 پسر سر مه مراداد بیشتر بزبان
 چو میوه که بماند بر زیر برگ نهان

باد من تر شدم به محشر
 در دیده من نهان ز مردم
 گفتند در آفتاب بنشین
 ای راحت جان چو خواب بنشین

از دل خوش است در غم جانان گریستن
 آب حیات پیش لبنت خون مرده است
 نتوان چو خامه از سر مرزگان گریستن
 باید بحال چشمه جیوان گریستن

چشم هر کس که شد از سرمه عرفا روشن
 می شود کاسه گل ساخته از گردیدن
 آتش طور زهر سنگ تواند دیدن
 می شود کاسه گل ساخته از گردیدن

گلِ بِنِجَارِ گلزارِ خموشی چیدنی دارد زباں را همچو نافرماں پس سزمنیوان کردن
عَمَنی طبع سخن خود کن اگر میل سخن داری چرا باید قُصْرُف در زمین دیگران کردن

بسان مهرهٔ تنبیج در سیر و سکون دایم بدست دیگرے باشد عیان اختیار من
چنان گردید و انگیر گرد و غز بنم طاهر که ریک شیشهٔ ساعت بود خاکِ مزار من

بیاد قصد جان عاشقان کن کمان را زده کن و زه را کمان کن

کام مجو از فلکِ بینگلوں عے زخمِ نیلِ نیاید پروں

نگیرد در صلاوت قندجایِ نغمهٔ شیریں که نئے ترکِ شکر کرد از برای نغمهٔ شیریں

بود هر جانِ آید قامت آن از زمینِ موزوں که باشد مصرعِ سرو سہی در سزمنِ موزوں

حاجت بقید دیگر نبود برای محزون گردید شاخِ آہو زنجیر پایِ محزون

هر لحظه آستین نهد از ناز جگرش
دارد همیشه چین چین را در آستین

سحر غافل و هشیار نباشد یکسان
نفس خفته و بیدار نباشد یکسان

از سوز دل نویسد حرفی چو خامه من
چون لاله داغ باشد مضمون نامه من

بوصف زلف خوابا شد تمام آخر بیان من
کپوں بیرون می آید بجز مواند زبان من

نه پیری چنان گذشته ام ناتوان
که دندان بجنبند جای زبان

مؤگشت سپید و رنجت دندان
در صبح شود تاره پنهان

چند ز جور آسمان بار بود بدوش جان
کهنه قبا می زن که هست پنبه از استخوان

در محبت از خرد بیگانه می باید شدن هر کجا طفلی بود دیوانه می باید شدن

کُل بچن نه ببلست این خاکستر و آتش گُلست این

دهد روح دگر تیغ تو در تن سرم بردار و منت نه بگردن

خبر آمدن لشکر خواست بدشت نیمه آبله گردست دهد بر پاکُن

بیزم بوالهوسان بند جامه باز کن زبان طعن حسودان بخود دراز کن^۳

دست که گیرنده نیست بهر سخی خجرت بیخه مرجاں کند در جگر بحر خون^۳

لاف موزونی زند مانند سرو هر که خواند صفه از بوستان

سه نه گل نه چمن دیج، و در ب ۱۱۱ این شعر در نسخه های (۱۱۱) و (دج) و (دب) موجود است
و لے صاحب "سبع البجن" این شعر را بهیروز قاتل نسبت داده است و این اشتباه است زیرا که نسخه (۱۱۱)،
پیش از قاتل استنسخ شده است ۳ این اثر در (۱۱۱) و (دج) موجود است +

قافوس و ارخانه ام از آب نال تهنیت
روزی خورد ز پهلوی خود میهان من

بوصف کامل و زلف بنا گز قاریم
چند دانه که نهان نسبت در زمین سخن

حرص اگر غالب شود خلوت گزینی مشکل
تشنه چو گز در زبان از کام می آید بر لب

ز چشم عیب بین عیب نمایان تر نمیشد
پوشش خشم خود از عیب خود را عیب پوشی کن

این جهان گذران جای فرغت نبود
خواب رخا زین کس نتواند کردن

از بسکه شعر گفتن شد مبتذل درین عهد
لب بستن است اکنون مضمون تازه بستن

ممنون دست کوتاه خویشیم که پیش کس
بیرون نکرده سر ز گریبان آستین

داغ نتوان بر سر آن سکر و سوختن
هیچکس در باد نتواند چراغ افروختن

له گرفتارم (د)، له چون (دب)، له می (دپ)، له پوش از عیب مردم چشم خود را عیب پوشی کن
(دب)، له ادبی (دب)، +

دستار پشان شده بالایی مهرش بر شاخ گل هست بلبل بال فشان

پیش چشم تو ز کس سپرز برگ انداخت چو دیدم جمع سیاهی لشکر از مرکان

با که لبم غنی در سبکی خویش را سایه من بس بود سنگ نزار و من

چشم بد ز کس نبود چون صدف مرا فیض مگر ز عالم بالا رسیده من

ز خوبی نرم خودم در شکنج سخت دان بسان موم که جایش بود بر زیر انگلیس

ردیف واو

خواهی دلت کشاده شود و سکوت جو غیر از دهن دگر چه شاید ز گفتگو
پیدا بود صورت شیرین ز بیستون خارا ز بخت جانی فرماد ساخت رو

له این شعر هم از گمان مرث ماخوذ می باشد ۱۰ بر سپر انداخت (۱۱)، مگر سپر انداخت
(ب ۱)، ۱۰ که دیدم جمع سیاهی لشکر مرکان (۱۱)، ۱۰ خوشی تن (۱۱)، ۱۰ کرم (ب ۱)،
۱۰ دگر (ب ۱)، ۱۰ شکست (۱۱)، و (ب ۱)، ۱۰ رو سکوت کن (ب ۱) +

رفت و کسی ندید از نقش قدم پدید بود
زنگ پدید آمد مگر بود خنای پای او

که نظر بر غیر دارد گاه بر ما چشم او
بسکه بیمار است می افتد هر جا چشم او

روایف های مؤذ

سپید نخوری تانگف اهل زمانه
چون مهره شطرنج مرو خانه بجان
هر چند تافل کند این مشو از خیم
پیوسته بود پشت کمال سوی نشانه
از نوشته ره بگذر و سرگرم سفر باش
چون مور منه بر سر پاکینه ز دانه
از رشک کند باد صبا بر سر خود خاک
در زلف تو شد بند مگر ناخن نشانه
شمشاد کند نشانه برون از بغل غویش
تا دست بزل زلف تو رساند به بهانه

با خط سبز آینه نقش لبش نشسته
هر چند جای می نیست دشتی شکسته
چین بر رخم چو افتاد رنگم پدید آرد
مشکل که رام گردد مرغ ز دام بسته

بسکه بچید در گلیم بتو هر شب و آه
شد گریه ام چو طوق گردن قمری میاه
عافل از سر پای نهی ندارد دیر
هر که امغر لبست در سبب چشمش درگاه

له رفته و کس دبا، له می بار دبا، له شو دبا، له رخش دمک، له بتو هر شب در گلیم دبا،
له عافل از دنیا ندارد دیر سر پای دبا، عافل از سر پای دنیا ندارد دیر دمک +

خوشاروزیکہ اسبابِ طرب را بنہیم آواہ
بناشد جز کہ دوائے ساز ظرفی خالی از باہ

از بکہ وصفِ حقیقہ سیاہ تو کردہ ام
آخر چو میلِ سرمہ مرشد زباں سیاہ

نکمہ نبود کہ سر از جیبِ بروں آوردہ
جامہ ات گوی ز پیراہنِ یوسف بردہ

داعم از چرخ کہ چون نامہ از بابِ گناہ
روی مارا بگناہِ دگراں کرد سیاہ

مصحفِ رخاۃ اورا نشانِ آیہ است
یا برای بوسہ جا کرد انتخاب از آہ

بنود بلند و پستی در شعر شوگانان
یک دست باشد آری انگشتہای شانہ

ردیف یابی تحتانی

بگلشن بیتو ابر دیدہ مار سجت یارانی
کہ گردید آیشانِ عندلیباں حشمِ گریانی
سنود در کج فقر آرنخہ مای پور باروشن
کہ دردِ خاکساران را نباشد پیچ در مانے

لے این شعر فقط در دج، یافتہ میشود لے این شعر منقولہ منتجاتِ گمانت منسبت است ۳ فقرہ دمک، +

بیا در دیدہ ام بنیش اگر آب و انغوی
 کہ از چشمم نرم جوئست ہر جا کہ گریانے
 چہ خوش بالیدہ است از گریہ بر خودم چشم
 قتادہ در میان آب گویا تخم ریحانے
 نشد از جا کنی مانخن من بند در جانے
 ز دم چوں شانہ آخر دست زلف پریشانے
 دلم چوں گرو باد از کوچہ گردیا بنگ آمد
 بر قص آیم جو یاکم رخصت سیر گلستانے
 غنی در فصل گل تاکے بکج خانہ پیشانی

سرے چون خار بالا کن زد بو اگر گلستانے

مگر سودہ حسین غویش بید جا کہ کوئے
 کہ از پیشانی منیت پیدا غیر ابروئے
 ز آبادی نمے آید مرا از خشک تر بوئے
 کہ بے سیم چوں کشتی تھی از آب ہر بوئے
 مگر خواہد ہمسایہ مجھوں را چوں روز
 کہ از رخیر بے سیم در دستش تر آوئے
 کہا آب آتش عشقم ندارم پیچ دلسوزی
 کہ گردانم را ہر لحظہ از پہلو بہ پہلوئے
 نمے سیم ہنای سایہ افکن بر سر مجھوں
 مگر گاہے کہ بشیند بر زیر شاخ آہوئے

غنی دیوانہ عشقم ندارم پیچ سامانے

مگر میب دارم از سرمایہ دنیا ہمیں موئے

بار در چشم من روشن از و انجمنے او چو شمع دریں مجلس من چوں گلنے

لہ چاکہا دب لہ و دمک، جان کینہا (پج)، و دلا لہ پایم دب لہ و دمک، لہ سر دلا، و دمک
 لہ خواہند چوں دب لہ، لہ در دمک، مصرعہ ثانی بدیں طور میباشد کہ چوں رخیر در کشت
 نمے سیم ترازوئے لہ پہلوئے بہ پہلوئے دمک +

بود سرمایہ من جامہ و جانے آخر
جان گرو جامہ گرو کردہ خریدم کفے
چہ عجب طبعم اگر دعویٰ اعجاز کند
کہ بلطف سخف نیست کسے اسخف
بسکہ در دورِ حالِ مہ من گشت بسک
یوسف مصر در آمد بنظر پیر مہ
شمع فالوس نیم لیک ز بے سامانی
غیر دیوارِ سر نیست مرا پیر مہ
سنگ در کوچہ و بازار کی کرد غنی

من مجنوں چہ کم گرو بود کوہ کنے

ہست از خار مگر دامن صحرا خالی
کہ نگردید دل آبلہ پا خالی
عزتِ شاہ و گدازیرہ میں یکساں است
میکند خاک برای ہمہ کس جا خالی
چشمِ تعظیم ازیں بخیراں نتوان داشت
بہر گشت جان کند صورتِ دیا خالی
شمع فالوس نیم لیک ز بے سامانی
شد میان من و پیراں من جا خالی
در غم آبادِ جہان نیست ہم عیش و ام
گشت تا جام پر از می شد مینا خالی

ہر گاہ چو سوزن بہم روی برا ہے
مے افکندم طالع برگشتہ بچاہے
پروانہ نہ ظلمت بند راہ بمقصود
ان کیست کہ شمعے بہند بر سر راہے
بے مہر رخت بسکہ باشکم سرو کار است
شد مرد مک دیدہ من ابر سیاہے

سہ گرفتہ دمک، خریدم دج، و دوا، سہ در دج، این شعر در ردیف با، ہم تنباغ شدہ ادا شدہ می دیگر
روین الف نقل شدہ است و مصرعہ آخر بدیں طرز میباشد غنیر دیوار سر پیر مہ نیست مرا سہ غربت (بلا و دمک)
سہ با ہر کس نہ بد (بلا و)

پیکِ سرشکِ کرمِ دنبالِ بختِ راہی کرِ چشمِ منِ رلودہ ہم خوابِ ہمِ سیاہی
یکِ تنِ دینِ زمانہ بے داغِ ماننی نسبت کرِ دیمِ سیرِ عالمِ از ماہ تا ماہِ سیاہی
امینِ مشورہ دشمنِ شدِ گرچہ بانوِ ہنگ آتشِ کہ خیمِ کاہستِ داردِ لباِ کراہی

پریشانِ عالمِ وفا دہِ در پائتِ تعلقِ نصیب تو اے کابے فرستادنِ بدستِ لطفِ پیغامے
بگو چشمِ این صدا از مقریِ تسبیحِ می آید کہ صد دلِ منطربِ گردِ چو کدیاںِ آبادے
شدم از احتلاطِ زلفِ او شہورِ در عالم بر آورِ دیمِ آخرِ از سیاہیِ چونِ نگینِ نامے

ما ندیدیمِ دینِ بلخِ ز کسِ رویِ دلے غنچہ کو کہ توان دیدِ در رویِ دلے
نہستِ در قافلہٗ سنگِ لاںِ غیرِ حرمِ بس سینہ چاکے کہ در و دیدِ توانِ رویِ دلے

ساکِ نرسد بے مددِ پیرِ بجائے بے زورِ کمانِ رہِ نبردِ تیرِ بجائے

چشمِ خود را تا کی بر رنقِ مہاںِ ہنہی از طمعِ چوں آساناںِ بر سرِ ناںِ ہنہی

لے از و دب، لے از و دچ، لے سینہ چاکے کہ توان دید در روی دلی دلا، لے
چور (مک) +

از چشم بچشم جہداں آہوی وحشی کے کوہ کناں میرداں آہوی وحشی^{لہ}

قانع شدم ز لذت دنیا باند کے خوابِ خورش چو مردم چشم بودیکے

دربزم می باشد تسبیح را ظہورے بنود ستارہ مارا در آفتاب نورے

دو چشم از بک چشم خویش را برجمائے می نماید در نظریں کائے سرجامائے

ناز و آئینہ دم از عشق تو مردم از رشک ضعف نگذاشت کہ از سببہ برآم نفسے

چون خضر کام دل ز جبات ابد گرفت ہر کس کہ تن نداد با ظہار زندگی

از لبس لباس خود را رہن شراب کردیم چون شیشہ سنیت را از دست آستینے

یوسف رخنے درآید شاید بیدیدہ من ماند چاہ کنگاں دارم براہ چشم

در فکر آشنائی اہل سخن مہاش باید کہ خویش را بہ سخن آشنا کنی

اندام تو در عرش پیری و تو غافل شد ز لرلہ بر خیز و ازین خانہ بروں آئی

خوش آن ہمای طبعیت کہ چون کند پرواز برد بمغز سخن پکے ز استخوان بندی

اے دلبر از تغافل تو بید لیم ما گر دل بمانے دہی از ماچہ مے بری؟

سپند آسا مرا گر پیش خود در آتش اندازی ارزان بہتر کہ دوران خویش چون چشم ہم سازی

مدت شادی و غم نسبت برابر بجاں گریہ شمع بشی خندہ صبح بہت دے

دیدہ در رخسار خواب و ختن خوش و نشت کاشکے مژگان من چشمہ جو سوزن داشتے

سلہ این شعر در دوا، و دبا، موجود است، و در کتب "نیز نقل شدہ است۔ اما در تاجی ہی براہ چشمہ" تفسیر ہے
است سلہ خوشادبا، سلہ این شعر در دبا، و دوا، و دبا، موجود است۔ اما در دبا، نیت ہے۔
در ہر گز (ایشیا کہ سلہ جان دبا، سلہ کاش ہر دوا، و دبا، و دبا، +

دیوار و در خانه ما گرچه ز هم رنجت صد شکر که در خانه باینست غبارے

تا بروی پل نشسته بر دکان جویری می نماید چون نگینی بر سر انگشتری

پروانه عبث پر زده برگرد رخ شمع در پیش رخت شمع بود پر زده رده

عبه^{۲۱} هست نمایاں سخن حق نشین^{۲۲} در گوش بود پنبه^{۲۳} چو در دیده سفیدی

هر ساغری که بود به از می شد و هنوز گوید حجاب باده که خالیست جای می

زیباست خوی آتش اولاد^{۲۴} دلب را تو این بو ترابی باید که خاک با شی

چنان هم من روشناس^{۲۵} است در مهند که نقش^{۲۶} نگین در میان سیاہی

غنی ز صدر نشینی گذشتم و شادم که هر کجا که روم هست جای من خالی

رباعیات

ضعیف تو بدل شکست پیکان مارا صد کوه الم نهاده بر جان ما را
هرگز نشنیدیم که مودر دکن در د کمر تو ساخت جیرا مارا

کردست هوای هند د گبیر مارا اے بخت رساں بباغ کشمیر مارا
گشتم ز حرارت غریبی بیتاب از صبح وطن بده طباشر مارا

تا فقر شده مقیم کا شائے ما از گرد امل تھی هست ویرائے ما
رفتن بدر خانه مردم عیبست امروز که فاقه هست در خانه ما

از بس که گله بنود در گلشن ما خارے نزد هست دست درد امن ما
از چشم بد برق نترسیم که سوخت مانند سپند دانه در خرمن ما

۱- ایر راجی دروگر دروگر مشوق است (دج) ۲- نشیده ام (دک) ۳- باد دبا ۴- هر چند دا، ۵- هست
دبا ۶- ۷- بر دات دست از دامن مادان ۸- خلق بر ستیم دا، ۹+

اے بردہ فرو در لبِ نال دندان را از سیر خوری کرده مکدر جان را
تانیست چو صبح اشتہایت صادق ز بہار کہ در پیش نگیری نال را

ایدل نخوری فریبِ اربابِ دغا غافل نشوی ز دشمنِ دوستِ منا
ہر چہ کہ آیتن نماید فالوس در کشتن شمع باشدش دستِ رسا

کے سیر ز انعام شود چشمِ گدا جز فقر ندارد مرصِ حرصِ دوا
آزما کہ کشتہ چشمِ پریدنِ بیتیاب خوشتر بر کاہے بود از بالِ ہما

بازارِ مندپوشیِ اربابِ ریا گرم ہست گر امروز نباشد فردا
زاہد کہ ز بوریا بدعوئی برخاست چوں شغلِ خس زود نشیند از پیا

افتادہ ام از درخشِ زردِ اعضا کوشا گردے کہ مالِ اعضائی مرا
مے مالبندند نامرِ استادان اے کاش کہ گوشِ میبشم سترِ ناپا

لے جان (مک، غلط ہست لے نماید آیتن چون فالوس دب، لے دست (مک، چشم دب، و د۱۹،
لے عشق د۱، و د۱۹، و دب، لے بود دب، لے آراست (۱۹، لے درش (مک، +

دارم در دے کہ بہت جانکاہ مرا بہ شدائے کاش عمر کوتاہ مرا
ہر چہ کہ نیست مہلک این کوفتہ دے دایم تا مرگ بہت ہمراہ مرا

بے فہم اگر چشم بدوزد بکتاب نتواند دید روی معنی در خواب
کے غور کنند در سخن بے مغرآن غواصی بحر نیست مقدور حباب

بیل بہت ز شوق کلیہ ام گرم شتاب آرام بباد دادہ این خانہ خراب
تا برب کشتیم زندہ بوسہ ہنوز میگردد آب در دہان گرداب

خواہد دلم از سوز در وں گشت کباب کے کم شود از سعی طیب این تہ تاب
از سوختن امین نشیند ہر چہند در پای چہنار باغہاں ریزد آب

اے در طلب کمال سرگرم شتاب در صورت کس مبین و معنی در باب
ہر چہد عقیق بہت با تش ہر نگ دارد بدہان تشنہ خاصیت آب

طفلیم بجای شیر نوشیم شراب پستان بلب است جباب می ناب
مارا بنود بغیر می نوشی خواب گهواره ماست کشتی عالم آب

افسوس که رفت نشئه عهد شباب سرخوش شدیم یکدم از بادۀ ناب
از بهر تماشا ی جهان همچو جباب تا واکردیم چشم رفیتیم خواب

تا از رخِ خود کاشیده این چشمه نقاب آید بنظر چشمه خورشید سراب
بر آب روانش بنود چشم جباب چشمه هست که خنودخت از شوق آب

شد زال فلک از خنکی گرم عتاب برد از رخِ خوبان چمن رنگ شباب
موی سر سر و گشت از برف سفید دارد ز سبزه بهاء امید خضاب

هوش است که سرمایۀ صدر در دست فارغال آنکه از جهان بنجیر است
در بینه نمکنند مرغان فریاد هر چند که بینه از قفس تنگتر است

له بے ہوشی (د)، و (ب)، ۳ بر سر آب (ب)، ۳ در لغت چشمه سار - این رباعی در دمک، یافتہ میشود
لیکن در (ج)، و (د)، و (ا)، نقل شدہ است ۳ این رباعی فقط در (د)، یافتہ میشود ۳ ہوس (ب)، ۴

صد شکر که گلشن صفا گشت تنت
صحّت گل عیش ریخت در پیرینت
نب را بخلط بر توره افتاد کنوں
مشته عرفه گشت و یکید از بدت

در گوشه بے تعلقی جای دل است
وارسته همیشه در تماشای دل است
کشتی خو فلک در آن به پهلوی بند
آزما که هوای سیر و ربای دل است

برخیز غمی هوای فروردین است
فی نوح که وقت باد و خوردن این است
فصلی است که آشیان مرغان چمن
از کثرت گل چو سبد گلچین است

در باغ صبا چو تخم سرسبزی کاشت
خارے بسیر راه تماشا نگذاشت
نرگس بهوای دیدن صحن چمن
از روزن چشم خویش کاغذ برداشت

نور شبدر رخ یار مرا منظور است
نغم نیست گرا از دیده یار می دوست
چون ماه بود به عکس مردم عالم
تا نیست سفید چشمت من بے نور است

ز دینچہ بسینہ و دلم را بر دست بشادلم کہ دل مرا بدست آوردست
اباب جمال ہرچہ باید دارد چیزے کہ نگار من ندارد در دست

سرائے من در آستین دست ہیست بر خاتم دولتم نگین دست ہیست
اہل زد و بیم تنگدستند غنی دشنے کہ فراخست ہیست دست ہیست

آن را کہ بکف نباشد از رزق برات کے سعی طبیبش دہد از مرگ نجات
از عمر دے بین نصیبش بنود ہرچہ در حجاب سرزد از آریجات

ہر مرد کہ باز ناں بخواہش نشست بر عارض خویش غانہ از خوار بست
بنگہ بہ نرا نگشت کہ در پنچہ بست نسبت بہرا نگشت فرو تر نشست

بدگرچہ دے چند بہ بینکان نشست سرکشہ نیکیش بنفاد بدست
از تیرہ دلی پاک شد خاکستر ہرچہ بد کہ با آتش و آیینہ نشست

لے چیزے کہ بکف من ندارد کہ دست دہا، لے مکرہا، و درہا، لے ہا شد بکف دم کہ بکف نباشد
دہا، لے غانہ از خوار بست دہا، و درج، +

اے داد ترا خدای برحسین برات
لعل تو نکوتر بود از آب حیات
بشد کرت به زکرمای بتان
هر چند نمایزه نبود در عذاب

امروز گرت اختر طالع سپر است
در روز دگر ز دشمنه خونریز است
غافل منشین ز انقلاب گردول
در پرده چو برگشت دگر پرده در است

کو بخت که از هوش شرابم ببرد
از خود سفر عالم آیم ببرد
چون ز گس می پرست خوابم بچن
در سایه برگ بید خوابم ببرد

هر کس که بکلیج انزه و انبشند
کے بر در کس چو نقش پا بنشیند
در خانه خویش هر که پیوسته نشست
نقشش چو نگین در همه جا بنشیند

بر غمزدگان اهل جهان می خندند
از جوش فوج بصد دماں می خندند
در بر طرب بان مینای شراب
مے گر بزم و دیگران می خندند

طغرا که بود روح کتیفش چو جسد
گوید که برند شعرش از باب سخن

با صاف خمیراں شده دشمن ز جسد
نامش برند تا به شعرش چهره رسد

بر خیز و بجنگ خصم شمشیر به بند
در رزم از باب فراغت بگذر

بر تیر نظر بان ز بگیر به بند
پیرا بکش از بالش و بر تیر به بند

از زلف تو شانه عاقبت دست کشید
هر چند که عمر به یوس وی تو داشت

مرغ دل عشاق ز دام تو پرید
گرداند ورق آئینه چون خط تو دید

چون نخل قد یار گل افشاں گردد
آن خرمن گل را چو در آغوش کشم

مجلس همه رشک صحن بُتان گردد
خاک تن من سفالِ رجاں گردد

از مردن خورشید جگر ما غوش شد
آساں نبود فراقِ اباب کمال

دردِ دلِ ما خسته دلاں اقزول شد
خم خاک نشین در عِمِ افلاطون شد

شد بسته دهن ما ز هلالِ رمضان این طرفه که کار قفل آید ز کلیده

گر فیل شوی پای مننه بر سرِ مور غافل مشو از جوهر تیغ بر سرِ مور
عالم شده در چشم سلیمان تاریک ناگفته عیان بیای لشکرِ مور

تا دین تو واکرد بر امتِ درخیز بر روی زمین نیست نشانی از دیر
چون سایه ذلیل گشت آن نامه بیا کز پیرویت گذشت شد تالاعِ غیر

جان رفت و زلفت در دجانه هوز دل نیست ز خواب راحت گاه هوز
ماگر چه رسیدیم بمنزل اما آسایش منزل است در راه هوز

ای بافته از ذکر خفی دایم هوس مرغِ نفست گشته گر فدا ز نفس
خواهی که دلت کنده گردد چو حباب در ترک هوا کوش نه در حبسِ نفس

ساده این رباعی همین دو مصرع یافته میشود و آن هم فقط در (دج) میباشد که رباعی در لغت سرور کائنات هم سه بار هست
(د) که گذشته شده (دک) سه بافته از (د) بافته در (دج) یافته از (دب) +

چون نیست در افتاد گیم کس را شک
 بر خاسته از چهره و بجنم هر یک
 دعوی برابری ندارم به کس
 با خاک چرا برابرم کرد فلک

تا عشق مرا بعرصه آورد، فلک
 شد حُسن تو از بخت یابم روشن
 برداشت ز روی خوبت پرده شک
 بهر زرد خورشید بود سایه محک

مستال همه خفته اند در سایه تاک
 از گرمی خورشید قیامت بیایک
 دنیا گویند مریح آخرت است
 ای شیخ بریز دانه سبزه بخاک

ای در غم نور دیده چشمت مناک
 یعقوب صفت جامه صبر صد چاک
 در ماتم فرزند مریخ اشک بخاک
 صد طفل کن برای یک طفل هلاک

هر دل که بسختی است بود دایم تنگ
 باشد گرد و لبخت جانان در جنگ
 هر کس که تواناست کشد ریخ ز باد
 نشر بود از تیشه برای رگ سنگ

پیوسته بکنج انزوا در سفرم با آنکه نشسته ام ز پا در سفرم
 هر چند مسافتم بود یک کفایت عمر سیت که همچو آسیا در سفرم

هر چند که از مدرسه راهی نشدم آگاه ز یک حرف کماهی نشدم
 موی سیاه سفید گردید و پنبه ز واقف ز سفیدی و سیاهی نشدم

صد شکر که از حرف هوا واداستم چشم هوس از قناع دنیا بستم
 چو شکل دم بود ز ناخن پیدا ز دست بر روز بے نیازی دستم

هر چند که برگردیهاں گر دیدم از کس سخن نمالی نشنیدم
 شد پرده چشم من چو عینک سنگین از بکه ز خلق سخت روی دیدم

آنرا که بود در همه فن دست تمام نامش نبرد ز بے تمیزی ایام
 طفلی که ز بوستان بخواند و رفت چون سرو بر آورد ز موزونی نام

بر بستر ضعیف روز و شب میام
از گرمی تب گداخت جسم ز ارم
جز نام نشان نما ندان پهلوی من
اکنون گو یا چو حرف پهلو دارم

از صحبت هر که شد سخن چو قلم
چون کاغذ پیچیده بکش رود بزم
ز بهار مشو از دوز بانا امین
عاقل در بیم باشد از تیغ دوم

هر چند صفات خویش تن میدانم
چون کار بدست میرسد حیرانم
القصه بدو ک پیره زن ے مانم
سر رشته بدست خویش و سرگردانم

کردم هر چند جستجو در عالم
یاران موافق بهمان دیدم کم
افسوس که بچو مهره مائی شطرنج
یک رنگ نیند بهمنشینا بهم

زین کاغذ سبز داد عشرت دادم
گل گل بشگفت خاطر نا شادم
ممنوعم از آن تخیل برو مند که کرد
بعد از عمر ے برگ سبزی یادم

هر کس که مهر مستد زید در عالم
 هست از مهر خویش دلش را صد غم
 دیدی که بوقت کشته تابی خیاط
 می ساید دست از تاسف برهم

امشب که راز و عشوه آه لبست چیں
 چون مهر جهان تاب شدی پرده نشیں
 تا وقت سحر بهر سر اغت چوں شمع
 آهم بفلک دوید و اشتکم بریں

هر چپ نشود دلت ز خاموشی خوں
 از کاشه پُر صدایا بناید بیرون
 آرزاکه بود مغز خرد خاموش است
 ز بهار گوی بهیچکس راز درون

ای کرده ز رو سیم ترا دشمن دین
 نقش گنه از لوح جبین تو میس
 از رو سیاهی پاک نگردی هرگز
 تا سرنهی بسجده مانند بگیس

جویند دوا یی درد از من دگراں
 لیکن الم من نپذیرد دریاں
 آه شود شکست بازار درست
 هر چپند که چرخ مومیائی است دکان

له بور زید مهر (ب) آه بود (مرب) آه ای (ب) و (ب) ز (آن) (ب) و (لا) و (مک) آه شدی (ب) ز و
 (ب) آه شد (ب) و (لا) و (مک) آه فراغت (مک) آه رسید (مک) و (ب) و (لا) و (مک) آه
 سر نیاید آواز (مک) آه نشود (لا) و (ب) آه +

از خلق بگوشه نشستم پنهان میگردد ازین ره سختم گردهاں
ترسم که دگر سخن شود گوشه نشین از خانه بروں آیم اگر بچو زبان

گر زنبه شعر خود پیرسی از من گویم سخنه بانو مرغ اے کودن
بر هر دلف که کرده مشق سخن چوں لوح زبان بشوی از آب دهن

گلگون تو هست بسکه سرعت آیی چون رنگ بیک می پردان روی نیں
گر دیل بند آتش غیرت برق زین باد که حبه هست از دامن زین

آن گس که بدزد ز قناعت پهلو پیوسته بود جلوب قوت از همه مو
چون رشته شمع موزدان آتش حرص در لغمت اگر فرو رود تا به گلو

هر کس بتو از بهر پناه آرد رو از ربط مخالفش تهی کن پهلو
فانوس ندارد آتشی در جامه تا شمع زده است دست مردمان او

له جلوه (۱۱)، له سخن دگر (مک)، (دب)، دگر شود سخن جانی شین (مک)، سه خانه (د)، و (۱۱)،
له در تعریف اسپ عالمگیر (ج)، دلی شاه آن را رباعی خفته قرار داده گلگون را بران گفته است (۱۴)،
و (۲۲)، سه بکه است (دب)، له چون باد صبا میرود از روی زمین (د)، و (دب)، که هر کس که نداد
در قناعت پهلو (د)، سه ندزد (مک) +

ای جامه فقر زیب و پیرایه تو
وی شاه و گدا تو انگر از مایه تو
در خاتم صنع سرزد نقش دو کون
تا صرف نشد سیاهی سایه تو

تا غنچه شد از سر دمانت آگاه
گر دید زبان گفتگو بین کوتاه
زد لاف ز بهرنگی لعل تو نگین
آخر بدروغ روی خود کرد سیاه

ای برده جمال تو ز خورشید کلاه
رخسار تو آتش زده در خرمن ماه
از جملت روی آتشیت یوسف^ش
تا آب نشد بروں بنیاد از چاه

زلن دم که فتاد از نظرم دور آل ماه
گم کرده رو چشم ترم طفل نگاه
از بس که گریستم بشبهای فراق
گر دید سواد دیده ام آب سیاه

طامع که بملک حرص گردد راهی
در سعی عبث نمیکند کوتاهی
قارون^{که} اثر خاک رفت از طول امل
تا بر دارد درم ز پشت ماهی

له ربی در لغت سرور کائنات^ه له زیب پیرایه (ب) له از غامه (ب) له
در (ب) له چون ماه (ب) له بحرم کم (د) له به خاکش (د) +

اگشت بشمع داغ من گر بنی قالب کفم از بیم چو فانوس تہی
شب ناخوشم از روز من خوش گذرد اینست مگر حقیقت روزِ ہی

از ہرہ خویش گریہا برداری ہر گام از دفاۓ برداری
در راہِ سلوک دشگیر تو شود آن را کہ ز خاک چوں عصاب برداری

اے بادِ صبا طرب فرامے آئی گو یا کہ ز کوی یارِ مامے آئی
از کوی کہ برخاستہ راست بگو بسیار بچشم آشنای آئی

مثنوی اول در ہیجو حجام

مر ابرتن ز بانے گنت ہرمو	شوم در وصف بجائے سخن گو
کلاہ از نخوت شاہاں رلودہ	سراں را نیز دست خود نمودہ
باو آئینہ بستہ چشم امید	ز پہلویش زدہ پہلو بخورشید
نشان دادہ ز تورشیدان پیروی	شدہ خط شعاغی نشر او
چو گردد نشرش از دور پیدا	پے تعظیم او خیزد رگ ازجا
بنا بد رگ الم زویک سر مو	بود از موسیکتر نشر او
شدہ از سز تراشی سرور خلق	رواں چوں آب حکمش بر سر خلق
بسر ہاگو نیزد آب دیگر	کہ مویش میان او شدہ تر
ز بس مقراض آن مہ دکلش افاد	دہد از چشم وایروی تباں یاد
ز بس مقراض او دل بستہ بامو	بود ہم چشم بامقراض ابرو
چو خار نشر از دستش کند گل	بر آرد از رگ گل خون بلبل
بنضا ویش نقش خوش نشسته	بود کارش ہمیشہ دست بستہ

ز خنم شاخ را تا کرده گلگون
 نشسته شاخ گل از رشک درخون
 چه افسوس میدید آن فتنه انگیز
 که شاخ گل از و گردید گل ریز
 می شوقش مگر نوشید حجام
 که نام شیشه کرد از بخودی جام
 چنان از آتش شوق است بیاب
 که هر شب میخورد چنین بسوآب
 نموده جمع خاکستر به گلگون
 کندان ماه تا آئینه روشن
 بجز قلم نباشد مطلب او
 دلی می آید تیغ بر مو
 کشت تا باد خون من آن مست
 که دلی بیغش پیوسته دست
 شدم در بحر خون از دست اخراج
 تماشا کن که گشتم از کد و غرق
 بر راه انتظار آن گل اندم
 تهی کیسه بروں آید ز تمام
 زیستی میکشد آن ماه پیکر
 ندار چشم من زین آرزو خواب
 بیا اے آفتاب عالم افروز
 که باشد پیش او چو کاسه آب
 بیا اے آفتاب عالم افروز
 شب ملبه تو شد از تیرگی روز
 هناد آئینه ام آن ماه در پیش
 دلی آندم که بیرون رفتم از خویش
 ز دستم دور از آن افکنده ناخن
 که در جائے بارم بند ناخن
 بک برداشت چو آن مهر پرپوز
 نو گوئی سایه کرد از سرم دور
 بود تا مه چرخ بر زم عالم
 مبادا سایه اواز سرم کم
 مبادا سرم کم

مثنوی دوم - شتائیه

دین موسم از بکسج لب تاب شد آئینه خانه سرای حباب
 بصر من گمگشتان خط جوی آب نماید که چو جدول اندر کتاب
 دف از دست مطرب نشاء شکار که بنه است سنج نغمه آیدار
 چنان کرد در آب سر ما اثر که نقش بر آب است نقش حجر
 همی نغمه بطع سراید در آب "خوش حال مرغی که گرد کباب"
 چنان آمد آتش ز سر مابه تنگ که گردید پنهان دوباره بسنگ
 زیم آتش و غله افتد جدا بگیرد اگر یک نفس از هوا
 شرار گری افتد ز آتش جدا شود ذره در یک نفس در هوا
 شده خشک از بس ز تابیر باد ز عینک دهد پرده چشم یاد
 بچنان مردم از آب دارند پاک که نهفته است آئینه روی خاک
 بود برگ عشرت بدست چنار که فصل خزان آتش آورده بار
 از آن داده بای تن خود بخار که شاید بگیرد به آتش دوچار
 ز بس سرگشته تنور سپهر ندیده درو گرم کس نان مهر

علیه این مثنوی که مآلفه در رباع و وجود دارد البته بعضی اشعار آن در نسخه های دیگر هم یافته میشود مثلاً (۱۱)

سه شرفش بر آب (۱۱)، سه تا (۱۱)، سه که (۱۱)، سه خواهد (۱۱)، ۴

روان چون شود بر زین جوی آب
 که بتهست سنج چشته آفتاب
 ز سر مادمی یافت ماهی بجات
 که از تیغ سنج کرده قطع جیات
 زین برف رانیت بر واهی آب
 رود چو کف بحر بالایی آب
 درین موسم آید چو آتش بکار
 خزل ساختن گری ز چوب چار
 بود انگار از منقل آتشین
 نمودار چون از نگیل دانه گیل
 رود پایش از تخته تیغ ز جا
 چو خط هر که افتد ز کرسی جدا
 کسے را که در سنگ سنج پاشکست
 ز کرسی بروستوان تخته بست
 گریزان مگر گشته مدانه هوا
 که دارید آه من همه روبر پا
 شد افروده در جهاں کامگار
 که چو سنگ آتش کشد و کنار
 درین لای کل چون شد کس روان
 نمن بود گر پای سنج در میان
 بقع مراد و روزین هوا
 که چون بستند راه گردیدوا
 زین کرد سرما بباهی اثر
 بر آورد بار خود از جای تر
 تقدیر کرا چشم بر روی آب
 شد برف و افتاده بر خاک راه
 زین فلک هر که سر داده آه
 که از آب آئینه سازی کند
 زین فلک هر که سر داده آه
 اگر چه گرفت آتش اندر کنار
 که از آب آئینه سازی کند
 نشد گرم یک لحظه دست چار

له بر روی ۱۹۵، له بود انگار از بیم گشتن نشین
 درین لای و کل کس شده چون روان ۱۹۵، له ندانم ۱۹۵ + ۳۵

ز سر ما برگ آنکه گردد دو چار درین فصل دوزخ کند اختیار
 چو طفلان قدم سویی مکتب زنند بر اوراقِ بخی مشقِ مرکب زنند
 درین فصل باشد کسِ هوئیار که گلخن نشینِ سست دیوانه وار
 ز بس بخت بخی زین بیاں بر زبان زبانی دگر شد نفس در دماں
 از اندم که سر ما در آمد بکوش بجنبند دماں یک نفس بچو بکوش
 بنشد چو دیوانه کس پیشِ بیں که انگه صفت گشت گلخن نشین
 ستریکے که از دیده گردد جدا شود بسته چو آنک شمع از هوا
 درین فصل از بس که بخی بسته آب دهد یاد از گوشتِ ماهی حباب
 مگر زین هوا شد خبر دار مود که در زندگی بهر خود کند گور
 ازین پس نروا تم ز سر ما سخن که بخی پاره شد زبانِ ردین

تضمین

بند وئے دیدم که مست از عشق بود گفتش زین جستجویت چیست سود
 در جوایم گفت آن ز ناره دار نیست در دستم عنانِ اختیار
 رشتنه در گردنم افکنده دست
 می برد هر جا که خاطر خواه اوست

قطعه تاریخ وفات ابو طالب کلیم

جیف کزد بپویش گلشن پرید طالبها آن ببلبل باغ نعیم
رفت و آخر خامه را از دست داد بے عصا طے کرد این ره را کلیم
اشک حسرت چون میسر نید قلم شد سخن از مردن طالبیت یتیم
هر دم از شوقش دل اهل سخن چون زبان خامه میگردود و نیم
عمر ما در یاد او زیر زبیں خاک بر سر کرد قدسی و سلیم
عاقبت از اشتیاق یکدگر گشته اند این هر سه در یکجا مقیم
گفت تاریخ وفات او غنی طور معنی بود روشن از کلیم
۱۰۶۱

ایضاً در وفات میراکی شاعر

نیست دور از اثر صحبت او که لب گور در آید به سخن
بر سر خاک وی ارباب زبان جامه پوشیده به چوں موسن
گفت تاریخ وفاتش طاهر بر دایه ز جهان گوی سخن
۱۰۶۲

ایضاً در وفات امیر الامرا اسلام خان

جیف کزد فوٹ قدوہ اُمرا به سپرداغ شد نصیب بیاہ
تا کند فتح ملک باقی را رخت بیرون کیند زین خرگاه

دور ز آل آفتاب اوج کمال مرد مک شد ز گریه ابر سیاه
 جسته از بسکه برقی آه از دل خمین ماه ماند یک پرگاه
 آنکه داغ اند ماه تا ماهی همه آذاده دل گدا و شاه
 شد نفس ناله در گلو مارا بچو نے زین مصیبت جانگاہ
 بچو اوراق گل بدست صبا لخت مای دلست در کف آہ
 ہمتش دہشت رتبہ عالی بود والا سخلقت اورین راہ
 ہمہ کردند فیکر تاریخی از پے فوت آل مقرب شاہ

جست این مصرع از زبان غنی
 مرد اسلام خان والا جاہ

سونہ داغ دل ماد فتنہ از مہم گر می شمع ز کافور نمیکرد د کم
 بسفر رفتی و از تیغ فراق ت بہم زخم چندان من آمد کہ بنیاد بقلم
 سیر این غمکہ کردیم ز مہ تا مہی بیچس سنیت کہ بے داغ بود در عالم
 کف دریا نشود پنبہ داغ مہی بہ کہ مفلس نکند تکیہ بر ارباب کرم
 نزد ارباب تواضع تواضع تن وہ پیش محراب ہماں بہ کہ کنی خود را خم
 ہست ویش گل دی سبد داغ وجود گر چہ بشد دہشت غنچہ گلزار عدم

میشود تالِ قلم سوخته چون رشته شمع
 شرف ذات بتقلید نکرده حاصل
 هر که آیین قناعت بودش ملک دین
 همچو مومی که شود پیشکن از نقش نیکن
 یاد آن بُت کند و سرزند از شوق بنگ
 آب چون نیست گذارد بدین نشه عقیق
 حاصل دل شکنی غیر تأسف نبود
 قطع پاکر ده ام از بهر فراغت اما
 دولتِ ظاهر و باطن شود از محی حاصل
 خاتم آل دین تنگ چو گرده پیدا
 حرف سوز دل خود را چو در آرم برقم
 گاو و خرا ن کند خوردن گندم آدم
 بشکند روزه اش از رنگ به بند شکم
 دید چو زخم دلم چیں بجیں زدم زخم
 غلط است اینکه بر سجده برهن بضم
 دیده ام لخت جگر دارد اگر شد بے نم
 آسیا بے سبب دست نساید بر هم
 بسفر می برم آب خورش همچو قلم
 خم روایت ز فاطم کند و جام زخم
 هر کس انگشت گذارد بدین چو خاتم

مغز سر میخور چون بار صفاک از جفا
 گشت باخار مغیلاں پای من تا آشنا
 فکر ما بیرون می آید ز گرداب خطا
 خام گویا بسکه میبازند معنی ما شهید
 زان خار اگر زبان آرند بیرون از قفا
 کفش را بر خاک ره اند ختم چو نقش پا
 می برد درج از کدو و هر گز عواص ما
 شد زین نعر آخر چو زین کمر بلا

زلف را بر روی خط بهر فریب افکنده است
دامهارا بر سر هم گسترده و صیاد ما
جان من از پیش مشتاقان گذشتن نیست
گر گشتی دهن زدتم خون من گیرد ترا
میکند جزو بدن هم از بدن پهلوانی
پوست آری عاقبت از ما میماند جدا
هر که باشد در جهان مشاق همه نگر نیست
گاه در پرواز می آید چو بید کهر با
از برای سرو جائے چون کنار نیست
آب از شوق تو گشتم در کنار من بیا

در دمع ساخت تا اسپا بیدست و پا
پشت او بادین نشد چون اسپا شطرنج آشا
چون گذارم زین به پشت او نمی بید زجا
بر سر دیوار گویا خائے کردم بنا
تا بناشد کس بد بناش نیابد و راه
تا زبانه نیست چو دم یکدم از دانش جدا
گر رکاب این گرجاں قالب خستی شود
بر منی خیزد ز روی خاک همچون نقش پا
بسکه از رنگ حوادث آغوش گشته خورد
بسته ام جای حنائی زین به پیش تخته ما

روز و شب از بس زین گیرم ز درد دست و پا
یکر من میزند پهلوان به نقش بوریا
قوت رفتار دارم با وجود ضعف پا
چون قدم در ره گذارم میرو و بایم زجا
تکیه از ضعف بدن هر چند دارم بر عصا
بر منی خیزم زجای خویش همچون نقش پا

در تجم عمر من بگذشت چو آینه ما
 پشنت ماگر دیدم افزو ضعف تن مرا
 گر چنین از درد اعضا خشک گردیدیم
 در علاج درد اعضا سخت حیران مانده ام
 در میان ناگر دو آیدنی گردد ز هم
 میکشیم انتقام درد خویش از آسمان
 گشتن از پهلوی به پهلوی دگر معالج هست
 بسکه در اعضا ما افتاده از خشکی شکست
 بار در دامن کس از اهل عالم بر نداشت
 جسم زار ما ندارد طاقت مثنی کون
 روزگار معنی نغزش نفهمیدم که حسیت
 لشکری ضعیف از تبار دبیر من باک نیست
 در پی مشکل کشایان هرزه گردیدن چرا
 بسکه از آزار دست ناخالت میکشد
 بکیف دهم چرا غافل ز یاد در دینیت

این سزای آنکه گشتم عمر ما در سوز
 گر چه محکم میشود چون رشته میگردود تا
 میشود انگشت بلم رفته رفته خار یا
 کاش میگردم ز جبریت کیف کس دست و پا
 کاسه های زانوم چو شیشه ساعت جدا
 کاش بودی دست و پا مانند فکر من رسا
 نردبان بهر ما گردید نقش بوریا
 هر رگ ما گشته موی کاسه زانوی ما
 عاقبت از ناتوانی تکیه کردم بر خدا
 اتحوا ننگه شد از بهر شکست رنگ ما
 عاقبت افتاد این معنی مرا در پیش پا
 میگردم ننگ لنگان در پناه مصطفی
 که گره را میکند سوزن ز تار خویش و
 درد از شرمندگی بر لحظه گیرد پای ما
 گر نه سچیدیت از رگ رشته برا گشته

له بهم دب آله خود دب آله روزگار دب آله درد دب آله این شرور دب آله این طور آینه شود
 له بکه دمک له آزار پادشاه دب آله غافل چرا دهم دب آله انگشت ما دب آله +

دستار لبکه از افسوس برهم میزخم می پرد چوں رنگ روز دست می نگارنا
قصه در دست ندارد پیچ پایانه غنی
در صفت تابکے پیش طیبیاں سر کنی این ماجرا زمستان

موسم سردی شده سرگرم بخت بندیت آب بط آسیر بیضه فولاد گردید از جناب
لبکه هر دم می نشیند بر رخسار گداحاب شد چراغ آبی در چرخ گرداں آفتاب
از زبان تیشه بخت را سر و لبش می کند گریه بودے سخت و از شرم میگردید آب
حلقه های دهم باهی میجو مینک شد زینج کاش بیند چشم او خط شعاع آفتاب
تا در سرالمرز بر اندام ما افتاد بهت نیست غیر از موج امن پنجه از اضطراب
برق شهاب چون چراغ صبح آید در نظر بر تو برق است گویا جاشین هانتاب
کس درین شهبانی نباید نشان روشنی آسمان تیرے بنار یکی فلک دست از شهاب
تا نه بیند از نگاره دور آید زیرف هر زمان خورشید بگیرد پرده بر چشم او سحاب
بدر راه ترکان زشت کمر می بست بخت پنبه از آتش ندارد دباک و برف از آفتاب
پیش ازین تعبیر نتوان کرد از بیداد وے چشم میگردد سفید از برف را بنید خواب
پس ریاضتها که در ایام سردی می کشد جای دارد که روند اهل زمین بر روی آب
هست چوں طوطی زینج آینه اش پیش نفس لبکه دست خویش از جانشینت بط در زیر آب

بست آب چشمه خورشید نادر دلونج خشک لب از نشکی افتاده ای در لب
 دود هنگام و دایع شعله از بیم هوا بر سر آتش فدا مانده بود پرچ و تاب
 پنجه خورشید را از دست بردوی نماند آنقدر قوت که اندازد ز روی خود نقاب
 کوزه ماهیچون صدف از زاله تار کوه است تنحه از بخت دکان بجز بست آب
 پیچ راه گریز نیست از دشت گشت تنحه نفیس از آن بستند دریا شیخ و تاب
 در سر من باد میگردد غنی چون گرد باد

سازگار از آب که با من نیست استعمال آب

از دم سر درستان بسته شد در آستان بیضه ماهی عنایلیان همچو دندان ردمان
 طفل اشک از خانه ماهی چشم بیرون میزد ابرشایون کاغذ باد است در هر سودا
 داده باید از مردم چشمه که میگردد سعید زانغ زیر برف تاپنها شده در آستان
 آسمان چون چرخ حلاج است که گردش نمک پنبه و دانه ر برف و زاله ریزد هر زمان
 گشت بهر لب گردیدن بشیر اسباب جمع تاز سرا بهیچ دندان بسته شد آب دانه
 بسکه زخم تیر باران خورد از دست فلک مرغ نتواند پرید از شاخ چون زانغ کمان
 کرده است ایام گرام که با بسکه در رفتن شتاب برق باشد آتش و مانده این کاروان
 میزند پهلوی به نخل طور از آتش چنار زبیدار خود را کلیم وقت داند خیال

له جت دمک، له دیو دمک، و دب، له شرب دمک، و دب، له ذالاد دب، و دمک، له سحر
 دمک، له جاد دب، له میدود دب، له ابر دب، و دب، له ورا دمک، له رول دب،
 له سرا دمک، +

نمونہ نثر عسلی

برغصہ پر دازان بزم سخن سرائی و قانون نوازان محفل ناز و ادائی
 کہ تارِ نفس را صرفِ طبعِ نوازہ گوئی کرده و بایں علاقہ دل ادا فہان روزگار
 بدست آورده اند روشن و ہویا است کہ مانند مانی بحرِ مردم پر دختن سخن
 دیگران منسوب بخود ساختن در طعن بروی خود کشودن و جہای انگشت اغراض خالی
 نمودن است و چون طبعِ نور دست تصنیفِ غیرے دراز کردن و صید بستہ بدام
 تصرف آوردن پردہ ناموس خود دریدن است و الفِ افعال برچہرہ کشیدن اگر مقتضای
 مناسبت موافقت کہ طالع سلیمہ و اذعانِ مستقیمہ را باہم میباشند یکے بر دیگر درجاء
 نوار درند باید کہ بحکم مفتی عدل و انصاف تقدّم و تاخیر زمان منظور دشتہ خیال ملک و
 از خود سلیب و بغیر منسوب سازد بنا برال خارج آہنگ قانون قلمزنی طاہر غنی
 کہ از رگہذریا قباہی با نہایت جد و جہد خود را در دایرہ کمال داخل نموده و بواسطہ
 پست فطرتی با کمال سعی و تلاش پے بمعنی طبع مقامی بنزدہ فرد خامہ ہر چند دود
 لیک بمعنی نرسد پے سعی کارے کند گر نبود استعداد پے معروض میدار کہ از بیت

که شود از مشعل غور شد باقی عرش گرم
 نمیشد هر کس که گردد ساکن این سر دیر
 بسکه هر سو پاره مای بیخ بر آه افتاد است
 میزند لبهای بام از پاره مای بیخ دم
 چشم گلشن شد سفید از انتظار نوبهار
 تا کند در یوزه آتش بگلشن از چنار
 زین هوا هر چند کسی کرد بر پا آسمان
 نور پوش از شوق آتشخانه زانچون کمان
 تیشه بر پا میزند هر کس که میگردد دوا
 خنده دندان نما بر جفت و خیز رها
 پند از برف بر شاخ آشیان بلبلا
 کاسه بر کف هست سرو از آشیان بلبلا

بیان درد

درد رغن او فتاد ز دم چونان درد
 گاه روی و دجایت سرگاه سوی پا
 خاشاک موی در دوسرم انقد رچست
 گریست گشت پای ایش از پای من چه یک
 خواهد شکسته شد قلم استخوان من
 تا چند در شکجه بود از بنان درد
 جز شکرت نعمتم نبود بر زبان درد
 شد استخوان پهلوی من ز زبان درد
 گریست کاسه سر من آشیان درد
 شد مرغ ز شانه من باز شان درد
 آنز دلم شکسته شد از درد استخوان

در مذمت
 ای کاش بشکند چو دلم استخوان درد
 حجام

و میکند زخم پیای خور و ز نشتر او
 صدای استر و است بکه شور انگیز
 رگم بناله در آید چو تار از مضرب
 ز سر تراشی او پای میخند از خواب

له نقل دبل، له نور دبل، و دج، له آتشخانه را چون آتشخانه چو کمن (دک)، له هر دمک،
 سردج، له جج دو دمک، در دمک، له سایه دمک، شانه دج، +

نمونه نثر غسنی

بر نغمه پردازان بر زم سخن سرائی و قانون نوازان محفل ناز و ادائی
 که تار نفس را صرف طنبور تازه گوئی کرده و بایں علاقه دل ادا فغان روزگار
 بدست آورده اند روشن و هویدا است که مانند مانی بحر ف مردم پر دختن سخن
 دیگران منسوب بخود ساختن در طعن بروی خود کشودن و جهای انگشت اغراض خالی
 نمودن است و چون طنبور دست بتصفیف غیر دراز کردن و صید بسته بدم
 تصرف آوردن پرده ناموس خود در بین است و الف افعال بر چهره کشیدن اگر مقتضای
 مناسبت موافقت که طالع سلیمه و اذمان مستقیمه را بایم میباشد یک بر دیگر در حاشا
 لوار درند باید که بحکم مفتی عدل و انصاف تقدم و تاخر زمان منظور داشته خیال نکور
 از خود مسلوب و بغیر منسوب سازد بنابر آن خارج آهنگ قانون قلمزنی طاهر غنی
 که از رگدزن قاضی با نهایت جد و جهد خود را در دایره کمال داخل کرده و بواسطه
 پست فطرتی با کمال سعی و تلاش پے معنی بلند مقامی بنزده فرد خامه هر چند دود
 لیک بمعنی نرسد پے سعی کارے کندگر نبود استعداد پے معرض میبارد که این بیت

فردے جای درون رفتن و نه پای برون شد * در مانده این دائره ام بهیچو
 جلاجل * که قبل ازین بخاطر فائز پر تو ورود انداخته و خود را در لباس تازگی جلوه گر
 ساخته در بعضی اطراف بنام این روشناس قلمرو بیچ مدانی مشهور شده بود نگاه
 یکے از یکے تازان میدان تنبج که عنان توجیه بمطالعہ کتب تالیف یافته و بہت مذکور
 در نسخہ از نسخہ تالیف بدایونی مرقوم یافته این مست خواب غفلت را مشت کبے
 از عرق انفعال بر و پیشید در تحقیقت حال کما مینعی اطلاع بخشد خدا شاہد حال است
 کہ ازال تالیف مدتی زبان قال را در نہ شکجہ و ندال گرفته نفس بر نمے آورد ثبت روز
 این بہت را کہ مناسب مقام یافته بزبان حال تکرار میکرد۔ فرد ترک گویائی و دخل
 نکتہ گیران رستن بہت * بستن لب از سخن خوشتر ز مضمون بستن بہت * فی الواقع
 تا در رنگ غنچہ سیر گلزار خموشی میسر باشد در خارستان گفتگو پانہادن از عقل دور است
 فرد گل بیچارہ گلزار خموشی چیدنی دارد * زبان گفتگو را بهیچو نافرمان پس سر کن *
 ہر چہ دیار ان قدر دال در لباس تفقد در آمدہ میجو اسنند کہ این خجالت زدہ را از حبیب
 ندامت بر آرد و لب این بے دہن را دہن تکلم نمایند فقیر خویند فیاگرہ بر زبان
 زدہ سر رشته خموشی از دست نمیدارد کل مضمون این بہت را در گر میان عذرخواہی
 می نہاد فرد بلب چو آستین زدہ ام نجیہ سکوت * انگشت اگر زنی بلیم و انیشود *
 و تا امروز بخدمت دوستان مہربان التماس میکرد کہ ہر جا کہ بہت مذکور مرقوم یابند

تمام فیکر که در حقیقت نه سنگ آن بیت است بر طرف نمایند الحال که نسخه
 قدیم تاریخ بدایونی بهم رسیده و کجیم تقصیر ادا اول تا آخر دیده بیت مسطور را
 در پیچ جا مرقوم نیافت و کاتب نسخه جدید را که چون کتاب غلط مقابلش
 موجب ملال و مکالمه اش باعث تفرقه بال است بنا بر ضرورت در پیش خود
 طلبیده از حقیقت حال استفسار نمود بعد از الحاح بسیار و پس از سرزنش بسیار
 نند خامه بند از زبان واکرده در مقام عذر خواهی آمد که شعر مذکور در نسخه قدیم
 نبود و بواسطه مناسبت مقام دخل نسخه جدید نمود الحال کاتب بے دیانت
 بر سر خود پاشیده در پیچ مجلس نمیتواند شد توقع از سخن پردازان انصاف
 پیشه و معنی طرازان عدالت اندیشه آن است که اگر این بیت را در نسخه از نسخ تاریخ
 بدایونی مرقوم یابد حمل بر الحاق مضمون دزدی را بخاطر راه داده گناه کاتب
 بگردن شاعر نه بندند و این دزد را چون ورق کتاب نشان بر طاعت نکند
 بر ندایم از اشعار کس مضمون لا طبع نازک سخن کس نتواند برداشت

نہیں بیشتر طلب آئی کسی کہ محال دارد
پرائز انگلشت نمایاں رہے باشد چون حال
غنی دیگر



